قال تعالیٰ: يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ

ترجمہ: اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور دردناک عذاب سے تمہیں بچائے گا۔

اصلی حنفیت

مرتبہ: شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ: مفتی محمد عمر فاروق حنفی مدظلہ

تحقیق وتخریج: مفتی فضل الرحمٰن حنفی مدظلہ

دار الشیبانی للافتاء والتحقیق پہاڑپور
ڈیرہ اسماعیل خان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب کا نام:	اصلی حنفیت
تصنیف:	شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ
مقدمہ:	مفتی محمد عمر فاروق حنفی مدظلہ
تحقیق و تخریج:	مفتی فضل الرحمٰن حنفی مدظلہ
ناشر:	دارالشیبانی للافتاء والتحقیق پہاڑپور

03449393588/03339963665

علم الانسان ما لم یعلم

فہرست مضامین

فہرست مضامین	۳
دعائیہ کلمات از متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ	۹
تقریظ از شہزادہ اہلسنت مفتی عبد الواحد قریشی حفظہ اللہ	۱۳
مقدمہ	۱۵
پیدائش حضرت لاہوریؒ	۱۶
تعلیم	۱۶
تدریس	۱۶
علمی و اصلاحی خدمات	۱۷
تصانیف	۱۷
اہم کارنامے	۱۸
جمیعۃ الانصار اور دار العلوم دیوبند کی تاسیس میں حصہ	۱۹
تحریک خلافت میں حضرت لاہوریؒ کا کردار	۲۰
سول نافرمانی اور حضرت کی گرفتاری	۲۱
جمیعت علماء اسلام کی قیادت	۲۱
مرکزی مجلس عاملہ، فیصلے اور قراردادیں	۲۲
جامع شریعت و طریقت	۲۳
کشف و کرامات	۲۴
کشفی فتنے	۲۴
کشف و کرامات کے متعلق چند مشائخ طریقت کے ارشادات	۲۴
حضرت لاہوریؒ کی کرامات	۲۶
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۷

حضرت لاہوریؒ کی وفات	۲۹
تذکرہ امام اعظم ابو حنیفہؒ	۲۹
امام اعظمؒ تابعی ہیں	۳۰
امام اعظمؒ امام الفقہاء والمجتہدین ہیں	۳۲
امام اعظمؒ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں	۳۳
جمیع مستدلات الامام صحیح	۳۶
اصلی حنفیت	۳۸
اصلی حنفیت کے حقیقی علمبردار	۳۹
خلاصہ کلام	۴۰
فقہ حنفی کی معتبر و مشہور کتب کا تعارف	۴۳
مقدمۃ التحقیق	۶۱
تقلید کا صحیح مطلب	۶۵
تقلید کی لغوی تعریف	۶۶
تقلید کی اصطلاحی تعریف	۶۶
تقلید کن مسائل میں ہوتی ہے؟	۶۷
حنفی دراصل امام ابو حنیفہ کا ہی مقلد ہے	۶۸
حنفیت میں ہمارا طریقہ	۷۰
ہمارے مخالف لاہوری بھائیوں کی حنفیت	۷۳
بدعت کی تعریف	۷۳
اسلام پنجاب کے ضروری ارکان	۷۵
قیام مجلس میلاد النبی ﷺ	۷۶
سبق	۸۱

ابتداء مجالس میلاد	۸۲
میت کو ثواب پہنچانا	۸۳
قل خوانی کا حکم	۸۴
سابقہ فتوؤں کا حاصل	۹۰
تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں کا حکم	۹۰
نماز کے بعد بلند آواز سے درود شریف	۹۳
درود شریف کے فضائل	۹۳
دعوت انصاف	۹۴
استفتاء	۹۴
گیارہویں	۹۵
گیارہویں شریف کی ابتداء	۹۵
صرف شیخ جیلانیؒ کی ہی گیارہویں	۹۶
یہ سب متاخرین کی خود کاریاں ہیں	۹۷
اس کا سرا ہندووانہ رسوم سے ملتا ہے	۹۷
گیارہویں شریف اور اس کے کھانے کا حکم	۹۷
مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحبؒ	۹۸
مولانا احمد رضا خان صاحب	۹۸
گیارہویں شریف میں چراغاں کرنا	۹۸
وظیفہ شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ	۱۰۰
وظیفہ امداد کن، امداد کن	۱۰۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ اور بشر کہنے والے کافر ہیں؟	۱۰۴
دعوت رجوع الی اللہ	۱۰۴

قرآن پاک میں بشر اور عبد کا اطلاق	۱۰۵
حاصل مطلب	۱۰۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تفصیل	۱۰۶
انبیاء کا اعلان	۱۰۸
اکابر اور سلف صالحین کا عقیدہ	۱۱۱
حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونے کی تحقیق	۱۱۵
اپنی عبدیت کے متعلق حضور ﷺ کا اقرار	۱۲۰
حاصل مطلب	۱۲۱
حضرت ابو بکر صدیق کے نزدیک رسول اللہ ﷺ عبد ہیں	۱۲۱
الحاصل	۱۲۲
حضرت عائشہ آپ ﷺ کو عبد فرماتی ہیں	۱۲۳
الحاصل	۱۲۴
حضرت امام ابو حنیفہؒ آپ ﷺ کو عبد فرماتے ہیں	۱۲۴
حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ کا ارشاد	۱۲۴
مسامرہ لکمال بن ابی شریفؒ	۱۲۵
مسایرہ للعلامہ کمال بن ہمامؒ	۱۲۵
امام الصوفیاء حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد	۱۲۶
دعوت فکر	۱۲۷
ازالہ غلط فہمی	۱۲۷
نبی کریم ﷺ کی شان و مرتبہ کی جھلک	۱۲۷
ولی کی تعریف	۱۲۸
نبی کی تعریف	۱۲۹

تعریف بدعت	۱۳۲
نذر معین	۱۳۴
ہمارے مخالف حنفی بھائیوں کی کسوٹی اسلام مجموعہ بدعات ہے	۱۳۶
ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی برادرانہ درخواست	۱۳۷
وعید بدعت	۱۳۹
عبرت	۱۴۰
اسلام کا صحیح راستہ	۱۴۰
صحابہ کرام کا طرز عمل	۱۴۱
علماء کی اقسام	۱۴۲
عالم ربانی کا شیوہ	۱۴۳
عالم ربانی کی صحبت کا اثر	۱۴۳
تشریح اثر	۱۴۴
علماء حق کی پہچان	۱۴۴
علماء سوء (برے) کا شیوہ	۱۴۶
علماء سوء کی پہچان	۱۴۷
تصدیقات علماء کرام	۱۴۸
ضمیمہ بر اصلی حنفیت	۱۵۳
عقیدہ حاضر وناظر	۱۵۴
عقیدہ حیات النبی ﷺ	۱۶۴
اکابر امت احناف ؒ کا اس بارے میں عقیدہ	۱۶۹
عقیدہ علم غیب	۱۷۵
عقیدہ مختار کل	۱۸۱

قبروں کو پختہ کرنا اور مزارات بنانا	۱۸۴
مزارات اولیاء پر عرس میلہ لگانا	۱۸۶
قبر پر اذان دینا	۱۹۲
اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا	۱۹۳
اذان میں رسول اللہ ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر لگانا	۱۹۵
نماز جنازہ کے بعد قبل از دفن دعا مانگنا	۱۹۸
مسئلہ استشفاع	۲۰۰
عرض اعمال	۲۰۳
مسئلہ توسل	۲۰۵
توسل بالدعاء	۲۰۶
توسل بالاعمال	۲۰۶
توسل بالذات	۲۰۷
مصادر ومراجع	۲۱۱

اللہ اللہ اللہ
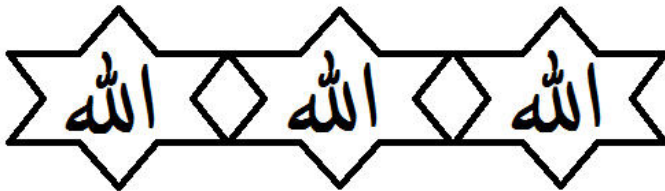
بسم اللہ الرحمن الرحیم
Molana
Muhammad Ilyas Ghumman
مولانا محمد الیاس گھمن
Cell:0300-4677615
E-mail: ilyasghumman@gmail.com
www.ahnafmedia.com
سرپرست خانقاہ ومرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا ● امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ ● چیف ایگزیکٹو احناف میڈیا سروسز

تاریخ: 5 دسمبر 2018ء
حوالہ: ت۔ 069

دعائیہ کلمات

نحمده ونُصلّي علىٰ رسوله الكريم أما بعد!

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ (ولادت ۱۸۸۷ء –وفات ۱۹۶۲ھ) کا شمار ان علماء ربانین میں ہوتا ہے جنہوں نے شرک و بدعت کی گمراہی میں پڑے لوگوں کو توحید وسنت کی راہوں پر گامزن فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسوخ فی العقیدہ کے ساتھ ساتھ اتباع سنت کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ آپ نے جہاں قرآن وسنت کی خدمت کی وہاں تصوف اور خانقاہ کے عنوان پر بھی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ دینی تحریکات میں بھی آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جمعیت الانصار دارالعلوم دیوبند کی تاسیس میں بھی شریک تھے، انگریز کے خلاف تحریک خلافت میں بھی آپ نے کام کیا ،۱۹۳۱ء میں سول نافرمانی تحریک میں گرفتار ہوئے ،۱۹۵۶ء میں جب جمعیت علمائے اسلام (پاکستان) کا قیام عمل میں لایا گیا تو آپ اس کے امیر منتخب ہوئے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایسی جامعیت سے نواز تھا جو فقط آپ ہی کا خاصہ تھا۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی آپ نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ آپ کا اہم کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ ۳۴ رسائل بھی تصنیف فرمائے جن میں مختلف زاویوں سے امت مسلمہ کی اصلاح وارشاد اور فلاح و بہبود کا سامان موجود ہے۔

زیر نظر کتاب "اصلی حنفیت" بھی آپ رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے جس میں آپ نے اس دور میں پائی جانے والی بدعات کا تعاقب کیا ہے۔ مبتدعین اپنی نسبت مذہب احناف کی طرف کرتے ہوئے خود کو حنفی کہتے تھے اس لیے آپ نے انہیں احناف کا صحیح مسلک بتا کر راہِ راست پر لانے کی سعی فرمائی ہے۔

ایک عرصہ ہوا کہ یہ کتاب چھپی تھی، اللہ جزائے خیر عطا فرمائے عزیزان مفتی محمد عمر فاروق حنفی، مفتی فضل الرحمٰن حنفی اور مفتی ہارون الرشید سلمھم اللہ کو کہ انہوں نے دوبارہ اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ عزیزان اپنے علاقہ پہاڑ پور، ڈیرہ اسماعیل خان میں "دارالشیبانی للافتاء والتحقیق" کے نام سے اپنا ادارہ چلا رہے ہیں جس میں فقہ حنفی کی خدمت کے ساتھ ساتھ دینی مسائل میں عوام الناس کی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ تینوں عزیز مجھ سے بیعت بھی ہیں اور "خانقاہ حنفیہ" کے عنوان سے اصلاح وارشاد کا کام بھی بخوبی کر رہے ہیں۔ مفتی محمد عمر فاروق سلمہ اللہ (متخصص ادارہ خدام اہل السنۃ لاہور) نے اس کتاب کے شروع میں ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے جس میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں۔ مفتی محمد ہارون الرشید سلمہ اللہ (متخصص مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا) نے کتاب کے شروع فقہ حنفی کی

معتبر و مشہور کتب کا مختصر تعارف پیش کیا ہے جن کے حوالہ جات اس کتاب کی زینت بنے ہیں اور تحقیق و تخریج اور مفید حوالہ جات کے اضافے کا کام مفتی فضل الرحمٰن سلمہ اللہ (متخصص مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا) نے سرانجام دیا ہے۔

عزیزان کا کام دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دین متین کی محنت کے لئے مزید قبول فرمائے، اھل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کے مسلک کو اکابرین کے منہج پر پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے، اس کتاب پر جو تحقیق و تخریج کی ہے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کتاب کو عوام الناس کی ہدایت کا ذریعے بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین.

والسلام

تقریظ

شہزادہ اہلسنت، حضرت مولانا مفتی عبد الواحد قریشی دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مجاز متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر دین اسلام کو مکمل فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دین صحابہ کرام کو پڑھایا صحابہ کرام نے دین اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیلایا۔

پھر صحابہؓ کے شاگرد امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اسی دین اسلام کو کتابی شکل میں لکھ کر امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا، گویا فقہ حنفی قرآن و سنت کی پہلی جامع تشریح کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو امت مسلمہ میں مقبولیت عامہ تامہ عطاء فرمائی ہے۔ ۱۹۹۴ء کی مردم شماری کے مطابق پوری دنیا کے ایک ارب ۳۰ کروڑ مسلمانوں میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلدین اور تابعدار ساڑھے ۸۶ کروڑ کی تعداد میں موجود ہیں۔ (اسلامی دنیا میں فقہی مذاہب کا فروغ، ص ۱۳۱، حاشیہ نمبر ۶، مترجم معراج محمد بارق، ط، قدیمی کراچی)

گویا امت مسلمہ کا ۷۰ فیصد حصہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تحقیق کو حق و سچ مان کر دین اسلام پر عمل پیرا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، واللہ ذوالفضل العظیم۔

زیر نظر کتاب "اصلی حنفیت" مولفہ امام الاولیاء، شیخ القرآن والتفسیر، سلسلہ قادری کے مایہ ناز منبع الفیوض حضرت **مولانا احمد علی لاہوری** صاحبؒ کے حواشی و

تقریظ

تعلیقات پر دارالشیبانی للافتاء والتحقیق کے مفتیان کرام عزیزم مفتی محمد عمر فاروق حنفی، عزیزم مفتی فضل الرحمٰن حنفی، اور عزیزم مفتی محمد ہارون الرشید حنفی دامت برکاتہم العالیہ کی ایک بہترین کاوش ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مفتیان کرام کے کام کو قبولیت سے نوازے اور دین اسلام کے لئے عافیت کے ساتھ مزید خدمات سر انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔
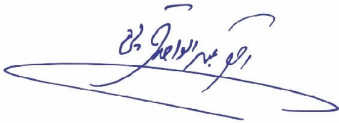
احقر عبد الواحد قریشی

یکے از خدام احناف

ادارۃ النعمان، خانقاہ حنفیہ

ڈیرہ اسماعیل خان

۲۷ نومبر ۲۰۱۸ء

مقدمہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد: قال النبي ﷺ "البركة مع أكابركم "[1] اما بعد------

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ان اولیاء اللہ میں سے ہیں جن کا نام آتے ہی بڑے بڑے علماء کرام اور بزرگ ہستیوں کے سر عقیدت ومحبت سے جُھک جاتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ حضرت لاہوریؒ کا تعلق ان علماء حق سے ہے جو کہ تمام زندگی قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدا بلند کرتے رہے اور لاکھوں لوگوں کو شرک وبدعت اور ضلالت وگمراہی کے گڑھوں سے نکال کر انکے دلوں میں توحید الٰہی، عشق نبوی ﷺ، حب صحابہؓ واہلبیتؓ کی شمعیں روشن کرتے رہے۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ کا تعلق علمائے حق کی اس جماعت سے جو حضرت مجد دالف ثانیؒ سے نسبت رکھتی ہے جس کے سر خیل حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دھلوی تھے۔ جسکی بنیادیں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیلؒ نے اُٹھائیں جس کی شاخیں ۱۸۵۷ کے ہنگامہ ہائے دار ورسن سے پھوٹیں۔

حضرت مولانا لاہوریؒ معنًا ولی اللہی ٹہنی ہی کا پتہ تھے۔ اور اس درخت کا ہی ایک پھول تھے جو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اُگایا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ہاتھوں پروان چڑھا اور ان کے نیک نفس جانشینوں نے اسے سر سبز رکھا.

[1] ۔ صحیح ابن حبان، ۲/ ۳۱۹، رقم ۵۵۹، طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

علمائے حق کی یہ ایک ایسی زنجیر ہے کہ جسکی عظمت پر حیرت ہوتی ہے۔انسان حیران ہوتا ہے کہ یہ انسانوں کی جماعت ہے یا قدرت کا معجزہ۔ایک لکیر کھنچی آتی ہے نہ کوئی خم ہے نہ کوئی گرہ۔ایک صاف ستھرا سلسلہ ہے جو شروع سے اب تک چلا آرہاہے اور جن لوگوں نے اس راہ کو اختیار کیا ہے۔وہ کہیں بھی ہٹے محسوس نہیں ہوتے بلکہ جوانمردوں کا ایک قافلہ ہے جو فکر و تضرع کے ہم رکاب حق گوئی کے سائے میں بڑھتا چلا آرہاہے مولانا احمد علی لاہوریؒ اسی جوانمرد و نڈر، فکری و نظریاتی قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔حضرت لاہوریؒ کے والد شیخ حبیب اللہ گوجرانوالہ کے قریب جلال نامی قصبہ کے رہنے والے ایک نومسلم،انتہائی متقی اور دیندار تھے جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ،زاہدہ اور صالحہ عورت تھیں۔

پیدائش

مولانا احمد علی لاہوریؒ گجرانوالہ کے ٹاؤن گکھڑمنڈی کے نزدیک قصبہ جلال میں ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بمطابق ۲۴ مئی ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی پھر مدرسہ دارالارشاد میں ۶ سال تک علوم دینیہ کی تکمیل کی اور ۱۹۰۷ء میں آپ فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریس

فراغت کے بعد مدرسہ دارالارشاد میں مدرس مقرر ہوئے۔ تقریباً ۳ سال تک تدریس میں مشغول رہے۔ پھر نواب شاہ کے ایک مدرسہ میں آگئے۔

اسکے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

علمی واصلاحی خدمات

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ؒ کو علم و عمل کی جامع اکابر علماء دیوبند شخصیات کا فیضان نصیب ہوا، اتباع سنت میں آپ راسخ القدم تھے، اور توحید کے انوار و آثار آپ کی زندگی میں نمایاں ہیں، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ممتاز شان رکھتے تھے، اور راہ حق میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے، شرک وبدعت کی تردید اور توحید و سنت کی ترویج کے لئے آپ کی زندگی وقف تھی اور بفضلہ تعالیٰ آخر دم تک اسی راہ مستقیم پر ثابت قدم رہے۔

تصانیف

آپ نے قرآن پاک کا رواں اردو ترجمہ کیا۔ اسکے علاوہ ۳۴ چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف کیے (۱) رسوم الاسلامیہ (۲) حرمۃ المزامیر (۳) اسلام میں نکاح بیوگان (۴) احکام شب برأت (۵) ضرورۃ القرآن (۶) اصلی حنفیت (جو قارئین کے ہاتھوں میں ہے اس میں کچھ مفید اضافہ جات شامل کئے گئے ہیں جو ان شاء اللہ قارئین کے لئے تسلی کا باعث ہوں گے) (۷) خلق محمدی (۸) مسنون وظیفے (۹) خلاصہ اسلام (۱۰) احکام وراثت بروئے شریعت (۱۱) توحید مقبول (۱۲) فوٹو کا شرعی فیصلہ (۱۳) پیغام رسول (۱۴) تحفہ میلاد النبی ﷺ (۱۵) تحفہ معراج النبی ﷺ (۱۶) فلسفہ عید قربان (۱۷) اسلام ہند خطرہ میں (۱۸) شرح اسماء الحسنیٰ (۱۹) فلسفہ نماز (۲۰) فلسفہ روزہ (۲۱) اسلام کا

فوجی نظام (۲۲) بہشتی اوردوزخی کی پہچان (۲۳)خدا کی نیک بندیاں(۲۴)مسلمان عورت کے فرائض(۲۵)پیر و مرید کے فرائض(۲۶)صد احادیث کا گلدستہ(۲۷)فلسفہ زکوٰۃ(۲۸)اسلام اور ہتھیار(۲۹)علماء اسلام اور علامہ مشرقی(۳۰)مقصد قرآن(۳۱)خدا کی مرضی(۳۲)نجات دارین کا پروگرام(۳۳)استحکام پاکستان(۳۴)مسلمانوں کو مرزائیت سے نفرت۔

مندرجہ ذیل عنوانات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت لاہوریؒ کی نگاہ امت مسلمہ کی اصلاح کے ہر پہلو پر تھی،اور تقریبا کوئی اجتماعی اور انفرادی ایسا مسئلہ نہیں رہا جس پر حضرت نے قلم نہ اٹھایا ہو۔بلاشبہ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضرت کی زندگی ایک مسلسل مجاہدہ تھی اور حضرت خلوص اور استقامت کا ایک عظیم پیکر تھے۔اور امت کی اصلاح و فلاح میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔

اہم کارنامے

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ آسمانِ ولایت پر آفتابِ عالم تاب بن کر چمکے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے شمار کمالات اور سعادات سے نوازا تھا۔ انکی علمی وروحانی شہرت بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ داستان تحریک آزادی ہند کے امین تھے،ہر ملی مصیبت میں آپ نے قوم کا ساتھ دیا۔ قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔۱۹۳۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج لاہور کے انگریز پرنسپل نے پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کیے تو آپنے اسکے خلاف

آوازاٹھائی۔ اس سلسلہ میں آپکو گرفتار کرلیا گیا۔آپ نے فتنۂ قادیانیت کی تردید میں دن رات ایک کیا۔ قید وبند سے بھی گریز نہ فرمایا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ گرفتار ہوئے۔ گرفتاری کے موقع پر آپنے فرمایا کہ نبی آخرالزمان ﷺ کی حرمت کے لیے جیل جانا کیا،اگر سر کٹانے کی نوبت بھی آئے تو میں اسے اپنے لیے عین سعادت سمجھوں گا۔ایک دفعہ مولانا تاج محمودؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانالال حسین صاحب اخترؒ ،حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ دورانِ گفتگو ختم نبوت کے ساتھیوں کا تذکرہ آگیا۔ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ: میں ختم نبوت کے ساتھیوں سے محبت کرتا ہوں۔

اور پھر فرمایا: "میں کیا ان سے تو خود سرکارِ دوعالم ﷺ محبت فرماتے ہیں"۔

اسلام کی ترقی کے لیے انجمن خدام الدین کا قیام عمل میں لایا، نظامۃ المعارف القرآنیہ کے نام پر علما کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی ایک مخلوط جماعت تیار کی جس کا مقصد حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق تبلیغی مشن چلانا تھا۔

جمعیت الانصار دارالعلوم دیوبند کی تاسیس میں حصہ

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ گوٹھ پیر جھنڈا ضلع نوابشاہ سے دوبارہ دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) چلے گئے اور وہاں جمعیت الانصار کی بنیاد رکھی۔ حضرت مولانا سندھی رحمتہ اللہ علیہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

۱۹۰۹ میں حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے دارالعلوم دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سن کر دیوبند رہ کر کام کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ

اسکے ساتھ سندھ کا بھی تعلق قائم رہے گا۔ میں چار سال تک جمعیتہ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس جمعیتہ کی بنیاد رکھنے میں مولانا محمد صادق سندھی، مولانا ابو احمد اور عزیزی احمد علی (لاہوری) میرے ساتھ شریک تھے۔جمعیت الانصار کا مقصد ملک اور بیرون ملک میں موجود فضلائے دیوبند کو منظم کرنا تھاحضرت مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور انکے رفقاء کار کی کوششوں سے جمعیت الانصار بے حد مقبول ہوئی ۔ ۱۵۔۱۷اپریل۱۹۱۱ء کو مرادآباد میں جمعیت الانصار کے زیراہتمام جلسے منعقد ہوئے جنمیں تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔اتنا عظیم اجتماع پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

تحریک خلافت میں حضرت لاہوری کا کردار

انگریز کے خلاف اس تحریک میں کام کرناانتہائی مشکل تھا۔مولانااحمد علی لاہوری تحریک خلافت صوبہ پنجاب کے صدر تھے انکی ذمہ داری جماعت کیلئے چندہ فراہم کرنا قرارپائی اللہ کا یہ نیک بندہ دن کوجماعت کا کام کرتااور رات کواللہ کے حضور سجدہ ریزہوکر گڑگڑاتااوردعائیں مانگتے حضرت نے اللہ کے ایک نیک بندے کومنتخب کیاکہ وہ چندہ اکٹھاکرے ۔وہ خداکابندہ دوبندر لئے ”گاوں گاوں“،بستی بستی “،نگر نگر”گھومتادن کوبندروں کاتماشادکھاتااور رات کو گاؤں کے باہر کسی گھنے درخت کے نیچے ڈیرہ جمالیتااس گاوں میں جماعت سے متعلق علماء کوجب علم ہوتا کہ بندروالا گاوں میں آیاہےتورات کواسوقت جب گاوں

والے گہری نیند سوئے ہوتے اپنے کسی خاص آدمی کے ہاتھ روپوں کی تھیلیاں بھیج دیتے وہ شخص تھیلی وصول کرلیتا اور فجر کی نماز کے بعد اگلے گاوں روانہ ہو جاتا۔[1]

سول نافرمانی اور حضرت لاہوری کی گرفتاری

۱۹۳۱ کو مجلس احرار نے کشمیر کے مسئلے پر سول نافرمانی کی تحریک شروع کی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ کو گرفتار ہوگئے۔ اسکے بعد مجلس احرار نے ڈکٹیٹر مقرر کرکے گرفتاریاں دینے کا سلسلہ شروع کیا ان دنوں تحریک احرار کے چھوٹے ڈکٹیٹر مولانا احمد علی لاہوریؒ تھے۔ حضرت لاہوری کو ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ کی رات ۲ بجے انکے گھر شیرانولہ گیٹ سے گرفتار کرلیا گیا اسوقت سول نافرمانی کی تحریک میں پندرہ ہزار سے زائد رضاکار گرفتار ہو چکے تھے۔[2]

جمعیت علمائے اسلام کی قیادت

۱۹۵۶ میں جمعیت علمائے اسلام پاکستان کا قیام عمل میں آیا جس کے لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو امیر اور مولانا احتشام الحق تھانوی کو ناظم اعلی منتخب کیا گیا ۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ تحریک سے الگ ہوئے دوسری طرف حکومت کی طرف سے تمام اکابر علماء کرام کو گرفتار کرکے جیلوں میں بند کر دیا گیا ۱۹۵۴ کو ایک بار پھر انتخاب عمل میں لایا گیا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ (جامعہ اشرفیہ) امیر منتخب ہوئے۔

---

[۱] ۔تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک ۳۵۹۔

[۲] ۔کاروان احرار، ۱/ ۲۲۴۔

مفتی صاحب نے ضعف وعلالت کی وجہ سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (دارالعلوم کراچی) کو قائم مقام امیر مقرر کیا لیکن یہ جماعت بھی بوجوہ فعال کردار ادا نہ کر سکی۔ ۱۹۵۶ کو ملتان کی علماء کنونشن میں جمعیت علمائے اسلام کی نئی تنظیم سازی ہوئی جس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو امیر اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو ناظم اعلی منتخب کیا گیا۔

مرکزی مجلس عاملہ کے فیصلے اور قراردادیں

۱۶ جون ۱۹۵۸ء کو لاہور میں امیر مرکزی مولانا احمد علی صاحبؒ کی صدارت میں مجلس عاملہ کا اجتماع منعقد ہوا۔ دو دن اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ ان اجلاسوں میں مختلف مسائل پر تین قراردادیں منظور کی گئیں۔ اور متعدد فیصلوں میں ایک فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ ۱۹۵۶ کے پاکستان کے دستور میں جو غیر اسلامی دفعات ہیں انکی نشاندہی کر کے انکی جگہ اسلام کے مطابق ترمیمات تیار کی جائیں اور انہیں ایک رپورٹ کی صورت میں مکمل کیا جائے۔

اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، شیخ حسام الدینؒ اور علامہ خالد محمود مدظلہ پر مشتمل مقرر کی گئی اور طے کیا گیا کہ ۲۲ / ۲۳ جون کو مردان میں یہ حضرات جمع ہو کر اس کام کو مکمل کریں۔ کمیٹی نے مولانا مفتی محمود صاحبؒ کو رپورٹ تیار کرنے کا اختیار دیدیا چنانچہ مفتی صاحبؒ نے ۱۹۵۶ کے دستور پر ایک فاضلانہ رپورٹ مرتب کی جو کتابی صورت میں تنقیدات وترامیمات کے نام سے شائع ہوئی۔[1]

---

[1] ۔عہد ساز قیادت ۶۶۔

جامع شریعت وطریقت

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے، شرعی علوم میں مہارت کی بنا پر آپؒ کو شیخ التفسیر کہا جاتا ہے اور کمالات طریقت کی وجہ سے اہل حق آپؒ کو قطب زماں تسلیم کرتے ہیں، اور شریعت و طریقت میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے، بلکہ شریعت ہی تمام ظاہری وباطنی کمالات کی اصل ہے، کیونکہ شریعت رب العالمین کے کامل وجامع قانون اور ضابطہ کو کہتے ہیں جو بذریعہ وحی حضور خاتم النبیین ﷺ کو قیامت تک امت کی اصلاح کے لئے عطاء فرمایا گیا اور جس کی پیروی کا اعلیٰ اور اکمل نمونہ خود رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، جس کی اطاعت کا خود اللہ جل شانہ نے بندوں کو حکم دیا ہے، اور اطاعت رسول کو ہی اپنی اطاعت قرار دیا ہے، لہذا شریعت مطہرہ دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی کفیل ہے۔

طریقت و حقیقت جن سے صوفیاء کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت غراء کی خادم ہیں ، ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزء اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے ان دونوں کو حاصل کرنے کا مقصد وحید شریعت کی تکمیل ہے، دوسرے احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیاء کو راستے میں پیش آتے ہیں یہ مقاصد میں داخل نہیں ہیں۔

ان سب چیزوں سے گزر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیئے جو مقامات سلوک کی انتہاء ہے، کیونکہ طریقت و حقیقت کی منزلیں طے کرنے سے اخلاص کے سوا کوئی چیز مطلوب نہیں۔ اور اخلاص رضا کو مستلزم ہے۔

سطحی خیال کے لوگ احوال و مواجید کو مقاصد خیال کر لیتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو مطالب سمجھتے ہیں ایسے آدمی اپنے وہم و خیال کی قید میں پھنس کر کمالات شریعت سے محروم رہتے ہیں۔

کشف و کرامات

حضرت لاہوری ؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کے ساتھ کشف و کرامات سے بھی مشرف فرمایا تھا۔ حضرت لاہوری ؒ کے کشف کرامات بیان کرنے سے قبل کشف و کرامات کی حقیقت اور اصل مقصد ذہن نشین فرمالیں:

کشفی فتنے

تصوف و سلوک کے اصل مقصد سے ناواقف سالک جب کتابوں میں اولیاء اللہ کے مکاشفات و کرامات کے تذکرے پڑھتے یا سنتے ہیں تو ان کو بھی شوق دامن گیر ہو جاتا ہے اور ذکر و مراقبہ میں وہ اس لئے محنت و مجاہدہ کرتے ہیں کہ ان کو بھی کشف و خوارق نصیب ہو جائیں، حالانکہ اس میں خواہش نفس کا دخل ہوتا ہے، اور وہ غیر اللہ کو مطلوب بنانے کی وجہ سے اصل مقصد سے دور ہو جاتے ہیں ، حصول کشف کے لئے ریاضت و مجاہدہ کرنا سالک کی روحانیت کے لئے بہت زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے ،اس لئے محققین مشائخ اپنے مریدین کو ان مہلکات سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

کشف و کرامات کے متعلق چند مشائخ طریقت کے ارشادات

ا۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ جو اپنے وقت میں چشتی طریقہ کے گویا امام الاولیاء ہیں اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں: کہ جو شخص سنت

رسول کا پابند اور ہم جنس نہ ہو اس کی صحبت میں شریک نہ ہو اگر چہ اس شخص سے کرامتیں اور خرق عادات ظاہر ہوں اور وہ آسمان پر بھی اڑے۔

اور مقام رضا کے متعلق فرماتے ہیں: اور رضا یعنی اپنے نفس کی رضامندی چھوڑ دے اور اللہ کی رضامندی پر رضامند ہووے، اور اس کے ازل احکام کا پابند ہو جائے جیسا کہ موت کے وقت ہو جاتا ہے، اور یہی وہ بلند مقام رضا ہے جو حضرات صحابہ کرام کو حضور رحمت للعالمین ﷺ کے انوار نبوت کے پرتو سے نصیب ہو جاتا تھا۔

۲۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ: عوام یوں جانتے ہیں کہ ولایت کشف و کرامات اور خلوت نشینی کا نام ہے، یہ غلط ہے۔ ولایت مقبولیت اور اتباع کا نام ہے۔[1]

۳۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ فرماتے ہیں: مقصود اصلی سلوک سے (ان تعبداللہ کانک تراہ) ہے، یعنی اللہ کی عبادت تو اس طرح کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی سالک میں یہ ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے یہ مبداء ہے اور باعتبار نیابت کے رضاء عزاسمہ کا حصول ہے۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے۔[2]

۱۔ تذکرۃ الرشید، ۱/ ۱۹۴۔

۲۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۴ ص ۱۶۰۔

۴۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد ہے: تصوف نہ یکسوئی کا نام ہے نہ مکاشفات کا نہ واردات کا بلکہ اس کی حقیقت ہے اصلاح ظاہر و باطن۔ پس مقاصد اس کے اعمال قالبیہ و قلبیہ ہیں اور غایت اس کی قرب و رضائے الٰہی ہے۔۔۔ اور مکاشفات کوئی مثل کشف قبور وغیرہ اور تصرفات مثل سلب امراض کو اس سے مس نہیں، ریاضت پر اس کا ترتب ہو سکتا ہے چنانچہ کفار بھی اس میں شریک ہیں۔[1]

مطلب اس کا یہ ہے کہ کشف قبور وغیرہ بھی دلیل ولایت نہیں ہیں کیونکہ ریاضت و مجاہدہ سے یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں اور کافروں کو بھی کشف قبور ہو جاتا ہے۔

۵۔ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل ؒشہید فرماتے ہیں: اور اس کشف قبور کو ناواقف لوگ قرب الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے۔[2]

حضرت لاہوری ؒکی کرامات

حضرت لاہوریؒ بعض اوقات کسی مصلحت کی بنا پر اپنا کشف خود بھی بیان فرما دیتے تھے، اور اس میں بھی حضرت ؒبہت احتیاط فرماتے تھے اور رازداری کے طور پر بتاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک بڑھیا کا نوجوان بیٹا فوت ہو گیا تو حضرت

۱۔ امداد الفتاویٰ جلد ۲ کتاب الحظر والاباحۃ

۲۔ صراط مستقیم ص ۱۱۷۔

کے پاس اس کا حال دریافت کرنے آئی تو حضرت ؒ نے فرمایا تیرا بیٹا قبر میں عذاب مبتلا ہے اور وجہ اس کی یہ بیان کی کہ وہ (ابوالاعلیٰ) مودودی کا معتقد تھا۔

اسی طرح حضرت اپنی باطنی حس کی تیزی کی بنا پر کھانے میں حلال اور حرام چیزوں کا امتیاز بھی بتادیا کرتے تھے۔

حضرت لاہوری ؒ نے ایک بار شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کی فراست باطنی کے متعلق فرمایا کہ حضرت کے سامنے کسی ہندو کی تصویر اس حالت میں رکھی جائے کہ اس نے مسلمانوں کا لباس پہن رکھا ہو تو حضرت پہچان لیں گے کہ ہندو ہے، اور اس کے برعکس مسلمان کو بھی پہچان لیں گے۔[1]

لیکن اس کے باوجود حضرت لاہوری ؒ کی تحریرات اور بیانات سے جا بجا واضح ہوتا ہے کہ حضرت کشف و کرامت کو دلیل ولایت نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اول تو کشف والہام ظنی امور ہیں جنمیں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ بطور استدراج یہ امور کفار سے بھی صادر ہوتے ہیں اور جس امر میں کافر بھی شریک ہو جائے وہ حق تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

صرف یہ کشف و کرامات ہی حضرت لاہوری ؒ کے لئے دلیل ولایت ہوں یہ درست نہیں بلکہ حضرت لاہوری ؒ کے کمالات ولایت اور اوصاف مقبولیت اور ہیں جن کی وجہ سے آپؒ اولیاء کاملین میں شمار ہوتے ہیں وہ یہ کہ آپ ؒ کی زندگی

---

[1] ۔ حضرت لاہوریؒ فتنوں میں، ص ۱۴ کے تعاقب

کامل اتباع سنت و شریعت میں گزری، اگر حضرت لاہوری ؒ کی مبارک زندگی میں کشف و کرامات کا بالکل بھی وجود نہ ہوتا تو بھی آپ ؒ کا شمار کامل اولیاء اللہ میں ہوتا، خود حضرت لاہوری ؒ فرماتے ہیں: اللہ کے پاک نام کی برکت سے یہ درجہ بھی آتا ہے جس میں حلال و حرام کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے، یہ مقصود بالذات نہیں۔[1]

استقامت کا درجہ کرامت سے بالاتر ہے کہ استقامت صاحب استقامت کو دی جاتی ہے اور کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی۔[2]

آخر میں حضرت تھانویؒ کا ایک ارشاد ملاحظہ فرمائیں: بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے یہ ان کے اختیار میں نہیں (بلکہ) ان کے اختیار سے باہر ہے (یہاں تک کہ) نبیوں کے اختیار میں بھی نہیں، دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی۔۔۔۔۔ جبکہ کشف اختیاری چیز نہیں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا ہی کرے (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ) کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ اگر کافر بھی مجاہدہ اور ریاضت کرے تو اس کو بھی کشف ہونے لگتا ہے، نیز مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے، میں نے خود ایک مجنونہ عورت کو دیکھا کہ اس کو اس قدر کشف ہوتا تھا کہ بزرگوں کو بھی نہیں ہوتا تھا لیکن جب اس کا مسہل ہوا تو مادہ کے ساتھ کشف بھی نکل گیا۔[3]

---

[1] مجلس ذکر دہم، ص۹۱۔

[2] ۔ مجلس ذکر ۷، ص ۱۵۰۔

[3] ۔اشرف الطریقہ فی الشریعۃ والحقیقۃ، ص۳۹۹۔

حضرت لاہوریؒ کی وفات

۷۴سال ۹ماہ (شمسی) اور تقریباً۷۷سال (قمری) کی عمرمیں بروز جمعہ ۲ رمضان ۱۳۸۱ھ / ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو آپ اس شان سے دنیاسے رخصت ہوئے کہ ساڑھے نو بجے رات نمازعشاء کی نیت باندھی اور سجدے کی حالت میں خالقِ حقیقی سے جاملے ۔ بارہ بجے صاحبزادوں مولاناعبیداللہ انورؒاور حافظ حمیداللہؒ نے باقی رفقاء کے ہمراہ غسل دیا۔ دوسرے دن جنازہ اُٹھایا گیا۔ یونیورسٹی گراؤنڈ میں نمازجنازہ ادا کی گئی۔ نمازجنازہ سے پہلے خطیبِ پاکستان مولانا قاضی احسان احمدؒشجاع آبادی کی آواز بلند ہوئی کہ مغربی پاکستان کے تمام علماءکرام حاضر ہوچکے ہیں اوراُنکامتفقہ فیصلہ ہے کہ نمازجنازہ مولانا لاہوریؒ کے صاحبزادہ مولانا عبیداللہ انورؒ پڑھائیں گے چنانچہ نمازجنازہ ادا کی گئی ۔ عشاق نے اپنے محبوب مرشد کے جسدِ خاکی کو سرِشام میانی قبرستان میں پہنچادیا۔ افطاری کے وقت مولاناعبداللہ درخواستیؒ،مولاناعبیداللہ انورؒ،حافظ حمیداللہ اور دیگر اکابرین نے مسلمانانِ ہندوپاک کی یہ مشترکہ دینی متاعِ گراں مایہ لحدِ خاک ہفتہ ۲۴ فروری ۱۹۶۲ء کو میانی صاحب قبرستان، لاہور میں رکھ دی.

تذکرہ امام اعظم ابوحنیفہؒ

چونکہ یہ کتاب حنفیت کے متعلق ہے اس لئے جس شخصیت کی طرف یہ مسلک منسوب ہے اور جو مدون اول کی حیثیت سے فقہاء کے سردار مانے جاتے ہیں کچھ تذکرہ ہم شروع میں اس شخصیت کا بھی کریں گے کہ وہ کس درجہ بلند پائے کی

ہستی تھی، امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اصل نام نعمان اور والد ماجد کا نام ثابت ہے۔ آپؒ کی ولادت راجح قول کے مطابق کوفہ میں سن ۸۰ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔[1]

امام اعظمؒ تابعی ہیں

آپؒ نے متعدد صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور صحابہ سے بغیر کسی واسطے کے روایات بھی لی ہیں اسی وجہ سے آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے "تابعی" اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کو ایمان کی حالت میں کسی بھی صحابی کی صحبت حاصل ہو گئی ہو۔ اور اس نے صحابی کی اتباع کی ہو۔[2] اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جن صحابہ سے ملاقات ہوئی ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ متوفی: ۹۳ھ۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن حارث الزبیدی رضی اللہ عنہ۔ متوفیٰ: ۹۹ھ

(۳) حضرت ابو الطفیل عامر ابن واثلہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۱۰ھ ان سے مکۃ المکرمہ میں ملاقات ہوئی۔

(۴) حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ۔

(۵) حضرت سائب ابن یزید الخلاد رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ

(۶) حضرت عبد اللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ۔

(۷) حضرت محمود ابن الربیع رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ۔

---

[1] ۔ حدائق الحنفیہ، مولانا فقیر محمد جہلمیؒ، ص ۴۳۔

[2] ۔ راہ سنت ص ۵۲ ط مکتبہ صفدریہ۔

ان سب کی تفصیل "اوجز المسالک" مکتبہ دار القلم دمشق ۱/ ۱۸۲ میں موجود ہے۔
حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بالغ ہونے کے بعد ۱۷ سال کی عمر میں ملاقات فرمائی ہے اور ان سے یہ حدیث شریف سنی ہے:

"من تفقه في دين الله كفاه الله همّه"[1]

حضرت ابو الطفیل عامر ابن واثلہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۲۲ سال تھی۔ اور حضرت عبد اللہ بن بسر اور حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہما کی وفات کے وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۱۶ سال تھی۔اور حضرت سائب ابن یزید خلاد رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عمر گیارہ سال تھی۔ اور حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۸ سال تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات راجح قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔[2] اس حساب سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی ہے[3] اور ہجرت کے وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر ۱۰ سال کی تھی، تو اس حساب سے حضرت انس

---

[1] ۔شرح مسند إمام أبي حنيفة، ص:۵۷۵۔ مقدمہ فتاوی تاتارخانیۃ، ص:۳۹۔
[2] ۔اسد الغابہ، ۱/ ۱۵۲۔
[3] ۔اسد الغابہ ۱/ ۱۵۲۔

رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عمر ۲۰ سال ہوتی ہے، اس لئے کہ امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ مذکورہ وجوہات سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا تابعی ہونا بالکل واضح ہے، اور تابعی کی روایت کی سند میں کمزوری نہیں آیا کرتی ہے۔ کیونکہ وہ عام طور پر صحابی سے روایت کرتا ہے اور صحابہ کے بارے میں ضابطہ ہے کہ **"الصحابۃ کلھم عدول"**[1]

امام اعظمؒ امام الفقہاء والمجتہدین ہیں

فقہائے مجتہدین جن کی اتباع اور تقلید کی جاسکتی ہے، ان کی تعداد دسیوں کی ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو جو مقامِ اجتہاد عطا فرمایاہے وہ دوسروں کو بہت ہی کم حاصل ہوا ہے، ان کے زمانہ کے دیگر مجتہدین حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد واستنباط سے حیران تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ جو خود فقیہ اور مجتہد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے اور میں نے روئے زمین پر ان کے جیسافقیہ کسی کو نہیں دیکھا، اگر میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کی صحبت میں نہ رہاہو تاتو میر اشمار ایک عامی آدمی کی طرح ہو جاتا۔

ربیع بن سلیمانؒ اور حرملہؒ دونوں فرماتے ہیں کہ: امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ فقہ اور تفقہ میں سارے کے سارے فقہاء و مجتہدین حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عیال ہیں۔[2]

---

[1] ۔الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۱/ ۲۲۔

[2] ۔تہذیب التہذیب۸/ ۵۱۶۔

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے عیال میں جتنے لوگ ہوتے ہیں وہ سب کے سب اسی کے تابع ہوا کرتے ہیں، ایسا ہی فقہ اور تفقہ میں سارے فقہاء امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تابع ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن داؤد الہرویؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ضروری ہے کہ اپنی اپنی نمازوں میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعائیں کریں اس لئے کہ انہوں نے فقہ اور حدیث کو یاد کر کے تفقہ اور استنباط کی ایک بہترین راہ لوگوں کے لئے کھول دی ہے۔

حضرت امام سفیان ثوری اور عبد اللہ ابن مبارک رحمہما اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت امام ابو حنیفہ اپنے زمانہ میں روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔

امام ابو نُعیمؒ فرماتے ہیں کہ: مسائل کی گہرائی میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جو نظر تھی وہاں تک کسی دوسرے فقیہ کی نظر کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

اور امام مکی ابن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ: روئے زمین کے سب سے بڑے عالم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔[1]

امام ابو حنیفہؒ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حق میں جو لوگ بے جا تشدد کرتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے صحاح ستہ کے مصنفین نے کوئی روایت نہیں لی اور صحاح ستہ کی روایات کی اسانید میں جو رواۃ ہیں ان میں اکثر ثقہ اور

---

[1] - البدایہ والنہایہ قدیم ۱۰/ ۱۰۷، اعلاء السنن بیروتی ۲۱/ ۱۳۔

قابل اعتماد راوی ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے اصحاب صحاح نے کوئی روایت نہیں لی ہے۔

مخالفین کی طرف سے امام صاحبؒ کے بارے میں جو بغض وعناد ہے، اس کی بھڑاس اتارنے میں ایک بات انہوں نے یہ بھی کہی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہے، ان کی یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کہنے والے قائلین خود صحاح ستہ کے رواۃ پر واقف نہیں ہیں اس لئے کہ حضرت **امام ترمذیؒ** نے **"کتاب العلل"** میں جابر جعفی کی کمزوری اور ضعف ثابت کرنے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا۔ اور حضرت **امام نسائی** ؒ نے اپنی کتاب **"سنن صغریٰ"** میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے روایت نقل فرمائی۔ چنانچہ مسئلہ استحاضہ سے متعلق حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی لمبی روایت نقل فرمائی۔[1]

[1] ۔ أخبرنا الربيع بن سليمان بن داؤد قال: حدثنا عبدالله بن يوسف، قال: حدثنا الهيثم بن حميد، قال: أخبرني النعمان والأوزاعي وأبو معيد وهو حفص بن غيلان عن الزهري، قال: أخبرني عروة بن وعمرة بنت عبدالرحمن، عن عائشة قالت: استحيضت أم حبيبة بنت جحش امرأة عبدالرحمن بن عوف، وهي أخت زينب بنت جحش، قالت: فاستفتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لها رسول الله صلى الله عليهوسلم: إن هذه ليست بالحيضة، ولكن هذا عرق، فإذا أدبرت الحيضة فاغتسلي، وصلي، وإذا اقبلت فاتركي لها الصلوة، قالت عائشة: كانت تغتسل لكل صلوة وتصلي، وكانت تغتسل أحيانا في مركن في حجرة أختها، وهي عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، حتى إن حمرة الدم لتعلوا الماء، وتخرج فتصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فما يمنعها ذلک من الصلوة۔

(سنن النسائي، باب الاغتسال من الحيض، النسخة الهندية ١/ ٢٤، دارالسلام، رقم: ٢٠٤)

اسی طرح **امام نسائیؒ** نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے اپنی کتاب **"السنن الکبری"** میں نقل فرمائی ہے۔[1]

آپ کے سامنے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کتب صحاح کے رواۃ میں سے ہونا ثابت ہوا ہے؛ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ امام صاحب کتب صحاح کے رواۃ میں سے نہیں ہیں، چنانچہ امام ابن حجر ہیثمیؒ نے "الخیرات الحسان" میں نقل فرمایا ہے کہ امام یحییٰ ابن معینؒ سے سوال کیا گیا کہ امام سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے جو حدیثیں نقل فرماتے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟ تو حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: جی ہاں **"كان ثقة ،صدوقا في الفقه والحديث"** چنانچہ امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقہ اور حدیث دونوں میں ثقہ اور سچے ہیں۔

اور امام شعبہ ابن حجاج فرماتے ہیں: **"كان والله حسن الفهم جيد الحفظ"** کہ اللہ کی قسم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت عمدہ اور اعلیٰ حافظ اور بہترین فہم و سمجھ کے مالک ہیں۔ اور حافظ ابن الاثیر جزریؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علوم شرعیہ میں ایسے امام ہیں کہ ان کی امامت پر کسی کو اختلاف نہیں۔[2]

---

[1] - أخبرنا علي بن حجر، قال: أخبرنا عيسى بن يونس عن النعمان يعني ابن ثابت أبي حنيفة عن عاصم هو ابن عمر عن أبي رزين عن عبدالله بن عباس، قال: ليس على من أتى بهيمة حد۔ (السنن الکبری للنسائی، أبواب التعزیر والشہود، النسخۃ الہندیۃ ۴/ ۳۲۲، دار السلام، رقم: ۷۳۴۱)

[2] - اعلاء السنن بیروتی ۲۱/ ۲۴ تا ۲۸۔

جمیع مستدلات الامام صحیح

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مستدلات میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں۔

چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ جو شافعی المسلک کے بہت بڑے محدث وفقیہ ہیں، بلکہ متعصب شوافع میں شامل ہیں، وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے ساتھ یہ احسان فرمایا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تینوں مسانید کا مطالعہ کیا ہے اور آخر کار میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایات میں سے کوئی بھی روایت سند ضعیف سے مروی نہیں بلکہ ساری کی ساری روایات خیار تابعین سے اور ایسے ثقہ راویوں سے مروی ہیں جو خیر القرون کے اعلیٰ درجہ کے رواۃ میں شامل ہیں، جیسا کہ امام اسود ابن یزید، علقمہ اور عطا ابن ابی رباح اور امام عکرمہ، امام مجاہد ابن جبر، امام مکحول اور امام حسن بصری اور انہیں کے درجہ کے بڑے بڑے حفاظ حدیث ہیں۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جتنے بھی رواۃ ہوتے ہیں سب کے سب عدول اور ثقات اور اعلام اور خیار تابعین میں سے ہیں، ان میں نہ کوئی کذاب ہے اور نہ ہی کوئی متہم بالکذب ہے۔[1]

وہ احادیث شریفہ جن سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے احکام کے استنباط کے لئے استدلال فرمایا ہے اور بعد کے محدثین نے ان روایات کے بارے میں کلام

---

[1] ۔اوجز المسالک، مطبع دار القلم دمشق ۱/ ۱۸۷۔

فرمایا ہے اور ان روایات کی سند کے راویوں پر ضعف کا نشان لگایا ہے، وہ سب ضعف اور کمزوری حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ان روایات سے استدلال کرنے کے بعد آئی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استدلال سے پہلے سلسلہ سند کے راویوں میں سے کوئی راوی ضعیف نہیں رہا ہے، بعد میں ضعیف رواۃ شامل ہو گئے؛ لہٰذا بعد کے ضعیف راویوں کو دیکھ کر یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہو گا کہ جس وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا تھا، اس وقت بھی یہ روایات ضعیف تھیں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک چلتی نہر ہے، نہر کے بیچ میں ایک مردار پڑا ہوا ہے، جس کی وجہ سے نیچے کی طرف کا سارا پانی بدبودار ہو گیا ہے، مگر اوپر کی طرف کا پانی بدبودار نہیں ہو سکتا، اب اگر کوئی شخص اس مردار کے نیچے کی طرف سے پانی پی لیتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ناپاک اور بدبودار پانی پی لیا لیکن اگر کوئی شخص اس نہر کے اوپر کی جانب سے پانی پی لیتا ہے، جس میں مردار کی بدبو اور نجاست کا کوئی اثر نہیں ہے، تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ناپاک اور بدبودار پانی پیا ہے؛ بلکہ اس نے صاف اور پاک پانی پیا ہے۔ ایسا ہی ان ضعیف روایات کا حال ہے، جن کی سند کے بیچ میں کمزور راوی آیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے روایات کی سند میں کمزور راوی کے آنے سے پہلے استدلال کیا ہے؛ لہٰذا امام صاحب پر یہ الزام درست نہیں کہ کمزور روایات سے استدلال کرتے ہیں؛ بلکہ امام صاحب نے صحیح روایات سے استدلال فرمایا ہے، ہاں البتہ ان لوگوں کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے روایات کی سند میں کمزور راوی آنے کے بعد نیچے سے حدیث شریف لے کر کے

استدلال کیا ہے، اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سارے مستدلات صحیح اور غیر متکلم فیہ ہیں۔[1]

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے درجے کے محدث اور فقیہ کا نام لے کر اور خود کو ان کی طرف منسوب کر کے بالکل بے سر وپا رسومات اور بدعات وخرافات پر عمل کرنے کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے صحیح معنوں میں مقلد اور ان کے مسلک پر عمل پیرا ہیں اور ان بدعات ومحدثات سے کنارہ کشی کرتے ہیں ان پر وہابی، اور کفر کے فتوے تک جھڑ دیئے جاتے ہیں۔ فیاللعجب

اصلی حنفیت

حنفی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فقہی احکام، فقہی اصول اور فروعات میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کی جائے۔ یعنی انکے علم، ثقاہت، دیانت اور فراست پر اعتماد کرتے ہوئے انکے اقوال وفتاوی کو دلائل کی بحث میں پڑے بغیر قبول کرنا اور انہیں دوسرے ائمہ کرامؒ کے اقوال وفتاویٰ پر ترجیح دینا۔

لہذا اب جو بھی قرآن ،حدیث اور فقہ حنفی کے فتاوی واصول کے تحت زندگی بسر کرے گا حنفی کہلائے گا اور جو اس سے ہٹ جائے اگرچہ وہ خود کو حنفی کہلائے مگر وہ حنفی نہیں۔ جیسے اس کتاب میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ نے وہ اعمال و نظریات بیان کئے ہیں جن کے عامل حنفیت کے دعویدار ہیں لیکن ان چیزوں کا حنفیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ہمارے محترم مفتی فضل

---

[1] ۔مقدمہ فتاوی تاتارخانیہ ۱/ ۴۴۔

الرحمٰن زید مجدہ نے حضرت کی بیان کردہ باتوں کو تحقیق، تخریج اور تعلیق سے مزین کیا ہے اور مزید جن چیزوں کی ضرورت تھی بطور ضمیمہ ان کو کتاب کے آخر میں درج کیا ہے اللہ تعالیٰ قارئین کو اس سے مستفیذ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

اصلی حنفیت کے حقیقی علمبر دار

برصغیر پاک و ہند میں اصلی حنفیت کے حقیقی علمبر دار علماء دیو بند ہیں اور علماء دیوبند کا کوئی الگ اعتقادی یا فقہی مکتب فکر نہیں ہے نا ہی خود رَو قسم کے اھل سنت ہیں۔ مسلک کے اعتبار سے نہ وہ کوئی جدید فرقہ ہیں، نہ بعد کی پیداوار ہیں، بلکہ وہی قدیم اہل سنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے، جو سلف صالحین سے تسلسل واستمرار اور سند متصل کے ساتھ فقہ حنفی پر چلا آرہا ہے، لہذا اھل سنت والجماعت کا یہ مسلک دیو بند جامع اور معتدل ترین مسلک حنفی ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہے، نہ مبالغہ ہے نہ غلو بلکہ کمال درجہ اعتدال وجامعیت کا جوہر پیوستہ ہے بلکہ عقائد میں اھل سنت والجماعت کے طریقہ پر ہیں، اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے منہج پر کاربند ہیں، البتہ احناف اہل سنت میں ان کی درسگاہ دیوبند اور اکابر ومشائخ کا ایک خاص علمی و تحقیقی رنگ وذوق ہے، بس اسی کی تعبیر دیوبندیت سے کی جاتی ہے. اور وہ رنگ وذوق مندرجہ ذیل خصوصیات کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔

ا= فقہ حنفی پر اطمینان اور اس کے مطابق فتوی اور عمل کے ساتھ ساتھ حدیث وسنت کے ساتھ خاص گہرا تعلق وشغف، نیز دوسرے آئمہ مجتہدین اور اسی

طرح حضرات محدثین و علماء امت کا ادب واحترام اور دل میں سب کی عظمت ومحبت.

۲ = اس فقہی اور علمی خصوصیت وامتیاز کے ساتھ حضرات صوفیہ کرام کی نسبت کی طلب و تحصیل یا کم ازکم دل میں ان کی عظمت ومحبت۔

۳ = اس سب کے ساتھ اتباع سنت پر التزام اور شرک وبدعت سے نفرت اور اس معاملہ میں ایک خاص قسم کی صلابت وحمیت.

۴ = اور ان سب صفات کے ساتھ اِعلاء کلمۃُ اللہ کا جذبہ. دراصل یہ اس خاص رنگ وذوق کا عنوان ہے جو ان عناصر اربعہ کی اجتماع سے پیدا ہوتا ہے۔

علمائے دیوبند کے اس سلسلہ مبارکہ کے اکابر واساطین مثلا حضرت نانوتوی حضرت گنگوہی حضرت تھانوی حضرت شیخ الھند حضرت سہارنپوری حضرت مدنی حضرت کشمیری حضرت عثمانی وغیرھم رحمہم اللہ تعالی ونَوّرَ اللہ مَراقدھم اور ان کے خاص تلامذہ ومسترشدین ان ہی چیزوں کی جامعیت وکمال میں ممتاز تھے ورنہ یہ خصوصیات جدا جدا دوسرے حلقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اَہل سنت والجماعت اور قرآن وسنت اور فقہ حنفی کے ساتھ تعلق ووابستگی کے بعد یہ ہے وہ خاص رنگ وذوق یا خاص مشرب جس کا عنوان دیوبندیت ہے جو حنفیت کی حقیقی روح ہے۔

<u>خلاصہ کلام</u> یہ کہ دیوبندی تحریک یا صحیح معنوں میں ہندوستان کی دینی وعلمی تحریک دراصل اسی دہلوی تحریک کی تجدید ہے، جس کے لیے امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادگانِ گرامی قدر اُٹھے تھے اور دوسری جہت سے دیکھئے تو یہ اس

تحریک کی تکمیل اور تشیید ہے، پس اکابرِ دیوبند اس جماعت کا نام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خدمتِ دین، خدمتِ علم دین، خدمتِ علوم قرآن وسنت کے لیے منتخب فرمایا اور اس بیان پر تعجب کیوں کیجئے! آفتاب اپنے مطلع سے طلوع ہو چکا ہے اور چیز اپنے معدن میں اجنبی نہیں رہی، اس کی بُوئے عنبریں اقطارِ ہند میں مشامِ جاں کو معطر کر رہی ہے اور اس کے چشمے اُبل اُبل کر زمین کے اطراف واکناف کو سیراب کر رہے ہیں۔ اس کے انوار وبرکات آفاق وبلاد کو روشن کر رہے ہیں اور یہ روشنی صفحاتِ ایام پر مسلسل پھیلتی جائے گی۔ پس یہ ہیں علمائے دیوبند اور ان کا علمی مرکز جو اصلی حنفیت کا ترجمان ہے۔ اللہ رب العزت ان اکابرؒ کے درجات رفیعہ کو مزید بلند فرمائیں اور ہمیں ان کی فرمودہ توضیحات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور نبی کریم ﷺ کے لواء الحمد کے تحت انہی اکابرؒ کے ہمراہ جمع فرمائے۔ (آمین)

احب الصالحین ولست منهم--------لعل الله یر زقنی صلاحا

إن فی ذٰلک لذکری لمن کان لہٗ قلب أو ألقی السمع وہو شہید ۔

طالب دعا: محمد عمر فاروق حنفی عفی عنہ

مدیر ومفتی دار الشیبانی للافتاء والتحقیق

تحصیل پہاڑپور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

فقہ حنفی کی معتبر و مشہور کتب کا مختصر تعارف

کتاب شروع ہونے سے پہلے فقہ حنفی کی چند معروف و مشہور اور اہم کتب کا مختصر سا تعارف پیش خدمت ہے، جس سے اس عظیم فقہ کا علمی کمال اور تعمق فکر کھل کر سامنے آ جائے گا، کہ علماء احناف ؒ نے کس قدر قرآن و حدیث میں غور و فکر، تدبر اور استنباط کر کے امت کی رہنمائی فرمائی ہے، اور رہتی دنیا تک لوگوں کی صحیح اور درست تربیت کی ہے۔ یہ فقہ حنفی کے علماء کا ایک عظیم کارنامہ ہے جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔

۱۔**الاصل المعروف بالمبسوط**، امام مجتہد محمد بن حسن الشیبانیؒ المتوفی: ۱۸۷ھ یا ۱۸۹ھ کی تصنیف ہے، جو "المبسوط فی فروع الحنفیہ" کے نام سے جانی جاتی ہے، قطر کے مکتبہ او قاف اور پاکستان سے مطبوع ہے۔[1]

۲۔**البحر الرائق**، علامہ زین الدین بن نجیم الحنفیؒ المتوفی ۹۷۰ھ کی تصنیف ہے، جو فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن "کنز الدقائق" کی تفصیلی شرح ہے۔ فقہاء کے اقوال اور جزئیات کو محیط ہونے کے اعتبار سے یہ کتاب بے نظیر ہے۔[2]

۳۔**بدائع الصنائع**، ملک العلماء علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن سعود الکاسانی الحنفیؒ المتوفی ۵۸۷ھ کی تصنیف ہے۔ جو علامہ محمد بن احمد علاؤ الدین السمرقندی المتوفیٰ

[1] ۔کشف الظنون ۱/۴۴۸، ۲/۴۸۳، الاعلام ۶/۸۰۔ مقدمہ تاتارخانیہ ۴۹۔

[2] ۔کشف الظنون ۲/۵، ۴۳۴/۳۱۰۔ الاعلام ۳/۶۴۔

۵۳۹ھ کی تصنیف "تحفۃ الفقہاء" کی شرح ہے، لیکن عبارت میں اتنی یکسانیت ہے کہ شرح اور متن کا فرق کہیں نظر نہیں آتا۔[1]

۴۔ **البنایہ**، ابو محمد بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود العینی الحنفیؒ المتوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ جو فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب ہدایہ کی شرح ہے، مکتبہ اشرفیہ دیوبند سے سے بارہ جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، اس کے علاوہ اس کے اور بھی نسخے کم و بیش جلدوں میں دستیاب ہیں۔[2]

۵۔ **تبیین الحقائق**، امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفیؒ المتوفی ۷۴۳ھ کی تصنیف ہے، جو فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن کنز الدقائق کی شرح ہے مکتبہ زکریا سے سات جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔

۶۔ **التجرید "تجرید القدوری"**، امام ابوالحسین احمد بن محمد الحنفیؒ المتوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے۔[3] احناف و شوافع کے درمیان مختلف فیہ مسائل کو اس کتاب میں انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو ۱۲ جلدوں میں مطبوع ہے۔[4] ہمارے برادر مکرم مفتی محمد عمر فاروق مدظلہ (مدیر و مفتی دار الشیبانی للافتاء والتحقیق پہاڑپور ڈیرہ اسماعیل خان) نے اس کتاب پر علل حدیث کے حوالے سے

---

[1] ۔کشف الظنون ۱/۳۱۶۔الفوائد البہیہ ۶۹۔الاعلام ۲/۷۰۔مقدمہ تاتارخانیہ ۱/۶۱،۶۰۔

[2] ۔الفوائد البہیہ ۲۷۲۔الاعلام ۷/۱۶۳۔مقدمہ تاتارخانیہ ۱/۱۰۴۔

[3] ۔کشف الظنون ۲/۴۳۴۔

[4] ۔کشف الظنون ۱/۲۲۹،الفوائد البہیہ ۴۰۔

ایک تحقیقی مقالہ بھی تحریر کیا ہے، جو "علل احادیث الاحکام" کے نام سے زیر طبع ہے۔

۷۔ **تحفۃ الفقہاء**، علامہ محمد بن احمد علاؤالدین السمرقندیؒ المتوفی ۵۳۹ھ کی تصنیف ہے، جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب "بدائع الصنائع" کا متن ہے۔[1]

۸۔ **تحفۃ الملوک**، زین الدین محمد بن ابی بکر حسن الرازی الحنفیؒ المتوفیٰ ۶۶۶ھ کی تصنیف ہے، جس میں صرف عبادات کے مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ اور دس کتابوں میں کتاب کی ترتیب ہے، اس کی شرح علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ نے "منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک" سے کی ہے۔ دار البشائر بیروت اور مکتبہ عباسیہ تیمر گرہ پاکستان سے مطبوع ہے۔[2]

۹۔ **تقریرات رافعی**، امام عبد القادر بن مصطفی بن عبد القادر البیساری الرافعی الطرابلسی الشامیؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ کا فتاوی شامی پر تحریر فرمودہ ایک قیمتی حاشیہ ہے، جو الگ سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے اور ہندوستان میں رائج شامی زکریا اور پاکستان میں مکتبہ رحمانیہ کی شائع شدہ کے ہر جلد کے ساتھ رافعی کا متعلقہ حصہ بھی لگا دیا گیا ہے۔[3]

۱۰۔ **تنویر الابصار وجامع البحار**، شیخ شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد بن تمر تاش الغزی الحنفیؒ المتوفی ۱۰۰۴ھ کی تصنیف ہے، جس میں منصب افتاء پر فائز

---

[1] ۔کشف الظنون ۱/۳۱۶۔

[2] ۔کشف الظنون ۱/۳۱۹۔

[3] ۔الاعلام ۴/۴۶۔

ہونے والوں کے لئے معتمد و مختار مسائل کو جمع کیا گیا ہے اور خود مصنف نے اس کی شرح "فتح الغفار" کے نام سے دو جلدوں میں لکھی؛ لیکن اس کی سب سے مشہور شرح "الدر المختار" ہے، جو حاشیہ ابن عابدین (فتاوی شامی) کا متن ہے۔[1]

۱۱۔**الجامع الصغیر فی الفروع**،امام مجتہد محمد بن الحسن الشیبانیؒ المتوفی ۱۸۷ھ کی قدیم تصنیف ہے جو بقول بزدوی ۱۵۳۲ مسائل پر مشتمل ہے۔[2]

۱۲۔**جامع الفتاوی** ،امام ناصر الدین ابو القاسم محمد بن یوسف السمرقندی الحنفیؒ المتوفی ۶۵۶ یا ۵۵۶ھ کی تصنیف ہے۔[3]

۱۳۔**الجامع الکبیر فی الفروع**، حضرت امام محمدؒ کی تیسری معرکۃ الآراء کتاب ہے، جو اپنے نام کیطرح بہت سے مسائل پر مشتمل ہے، جس کے متعلق امام محمد بن اشجاع البلخیؒ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ اسلام میں فقہ کے موضوع پر امام محمد کی جامع کبیر جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔[4]

۱۴۔**الجامع الوجیز (فتاوی بزازیہ)**، امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہابؒ المعروف بابن البزار الکردی الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ کی تالیف ہے، اس میں بہت مرتب انداز سے مختلف کتابوں سے مسائل فقہ جمع کئے گئے ہیں اور راجح مسائل کو بھی

---

۱ ۔کشف الظنون ۱/ ۴۰۴۔

۲ ۔کشف الظنون ۱/ ۴۴۳۔ الفوائد البہیہ ۲۱۲۔

۳ ۔کشف الظنون ۲/ ۶۵۴۔ الفوائد البھیہ ۲۸۹۔

۴ ۔کشف الظنون ۱/ ۴۴۸۔ الفوائد البھیہ ۲۱۲۔ اصول الافتاء وادابہ ۱۲۷،۱۲۶۔

ذکر کیا گیا ہے، یہ پہلے ہندیہ کے حاشیہ پر چھپی ہوئی تھی، اب مستقل الگ سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔[1]

۱۵۔**الجوہرۃ النیرۃ**، امام علامہ شیخ الاسلام ابو بکر بن علی بن محمد الحداد الیمنیؒ المتوفی ۸۰۰ھ کی تالیف ہے، آپ کثیر التصانیف ہیں، آپ نے درس نظامی کی مشہور کتاب "قدوری" کی دو شرحیں لکھیں ہیں پہلی "السراج الوہاج" اور دوسری "الجوہرۃ النیرۃ" جو بعض جگہوں پر داخل درس ہے۔[2]

۱۶۔**حاشیہ چلپی**، علامہ شیخ چلپی علیہ الرحمہ کا حاشیہ ہے، یہ کتاب فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن "کنز الدقائق" للعلامہ النسفی المتوفی ۷۱۰ھ کی شرح ہے۔[3]

۱۷۔**حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار**، امام احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاویؒ المتوفی ۱۲۳۱ھ کی فقہ حنفی کی جامع ترین کتاب "الدر المختار" پر بے نظیر حاشیہ ہے، جس میں درمختار کی مغلق اور مجمل عبارتوں کے حل کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے، یہ کتاب پاکستان سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

۱۸۔**حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح**، علامہ شرنبلالیؒ المتوفی ۱۰۶۹ھ کی نور الایضاح کی مشہور شرح "مراقی الفلاح" پر امام محمد احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ کا تفصیلی حاشیہ ہے، جس کا شمار فقہ حنفی کی مستند

---

[1] ۔کشف الظنون ۱/ ۲۳۵۔

[2] ۔کشف الظنون، ۲۔

[3] ۔کشف الظنون ۵/ ۱۵۲۔الاعلام ۱/ ۲۴۵۔مقدمہ تاتارخانیہ ۶۷۔

کتابوں میں ہوتا ہے، اس میں زیادہ تر جزئیات نماز کے احکام و مسائل سے متعلق ہیں۔[1]

۱۹۔**خزانۃ الفقہ**،امام ابو اللیث نصر بن محمد الفقیہ السمرقندی الحنفیؒ المتوفی ۳۸۳ھ کی تصنیف ہے، جو "کنز الدقائق" کے متن کے طرز پر ہی ترتیب دی گئی ہے، جس میں مقدمہ کے گنے چنے مسائل کا ذکر ہے۔[2]

۲۰۔**خلاصۃ الفتاوی**،امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاریؒ المتوفی ۵۴۲ھ کی فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ہے، حشو وزوائد سے پاک مفتی بہ مسائل کو جامع ہے، مکتبہ اشرفیہ دیوبند سے مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بے نظیر حاشیہ کے ساتھ چار جلدوں میں شائع شدہ ہے،اور پاکستان میں چار حصے دو جلدوں میں مطبوع ہیں۔[3]

۲۱۔**الدر المختار**،امام محمد بن علی بن محمد الحصکفی المعروف بعلاء الدین الحصکفیؒ کی تنویر الابصار کی سب سے معروف و مشہور شرح ہے، جس پر علامہ شامیؒ نے بے نظیر حاشیہ لکھا ہے، جو اس وقت فقہ حنفی کا سب سے مستند اور مقبول ترین مجموعہ ہے، یہ کتاب اس وقت دو جلدوں میں شائع شدہ ہے، اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔[4]

[1] ۔الاعلام ۱/ ۲۴۵۔ کشف الظنون ۵/ ۵۲۔

[2] ۔کشف الظنون ۱/ ۵۴۰۔

[3] ۔کشف الظنون ۱/ ۵۵۱۔

[4] ۔کشف الظنون ٦/ ۲۳۲۔مقدمہ تاتارخانیہ ٦٧۔

۲۲۔**دررالحکام فی شرح غررالاحکام**، علامہ ملاخسروؒ المتوفی ۸۸۵ھ کی کتاب "غرر الاحکام" کی شرح ہے، یہ کتاب متن کے بجائے شرح سے زیادہ مشہور و معروف ہے، بیروت سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[1]

۲۳۔**الذخیرۃ**، امام برہان الدین محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن عمر بن المازہؒ المتوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے، جس کا نام "ذخیرۃ الفتاوی" ہے۔ اور جو علماء کے ما بین الذخیرۃ البرہانیہ کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب دراصل "المحیط البرہانی" کی تلخیص ہے اور پانچ ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[2]

۲۴۔**رد المحتار علی الدر المختار**، علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقیؒ المعروف بابن عابدین الشامی المتوفیٰ ۱۲۵۲ھ کا "الدرالمختار" پر بے نظیر حاشیہ ہے، جو اس وقت فقہ حنفی کا سب سے مقبول اور مستند مجموعہ ہے، جس میں تمام کتب متقدمین متأخرین کا عطر اور نچوڑ آ گیا ہے، اسی لئے چہار دانگ عالم میں اس حاشیہ کو پورے طبقۂ احناف میں مرجعیت کا مقام حاصل ہے، اور تن تنہا اس کتاب نے بہت سی کتب فقہ سے مستغنی کر دیا ہے، بازار میں "فتاوی شامی" کے بہت سے مطبوعہ نسخے دستیاب ہیں۔[3]

---

[1] ۔کشف الظنون ۲/۱،۱۹۶/۵۷۱۔

[2] ۔کشف الظنون ۱/۶۲۱۔

[3] ۔الاعلام ۶/۴۲۔ کشف الظنون ۶/۲۸۶۔

۲۵۔**سکب الانہر**، امام علاؤ الدین علی بن محمد الطرابلسی ابن ناصر الدین الدمشقیؒ الحنفی المتوفی ۱۰۲ھ کی تصنیف ہے، جو ملتقی الابحر کی شرح ہے، مکتبہ فقیہ الامت دیوبند سے مجمع الانہر کے ساتھ چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[1]

۲۶۔**السیر الصغیر**، حضرت امام محمدؒ کی پانچویں معرکۃ الآراء تالیف ہے، جس میں آپ نے خاص کر ان امالی کو جمع فرمایا ہے، جو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے تلامذہ کے سامنے سیر یعنی جہاد و قتال اور غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے موضوع پر ارشاد فرمائے تھے۔[2]

۲۷۔**السیر الکبیر**، حضرت امام محمدؒ کی آخری تالیف کردہ کتاب ہے، جسے آپ نے عراق سے واپسی کے بعد تصنیف کیا، اس کا شمار بین الاقوامی قوانین جنگ و صلح کے موضوع پر قدیم ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ اور دورِ حاضر کے حالات میں بھی اس کو مشعل راہ بنا کر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔[3]

۲۸۔**شرح المجلۃ**، سلیم رستم باز اللبنانیؒ کی تصنیف ہے، اس میں سلطنت عثمانیہ کے دور میں جاری کردہ فتاوی کو جمع کیا گیا ہے، مکتبہ اتحاد سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ اسی طرح ایک کتاب شرح المجلہ نامی خالد الاتاسیؒ متوفی ۱۳۷۰ھ کی بھی مطبوع ہے جو بہت سی فقہی جزئیات پر مشتمل ایک نافع اور گراں قدر علمی ذخیرہ ہے۔

---

[1] ۔کشف الظنون ۲/ ۶۵۲۔

[2] ۔کشف الظنون ۲/ ۵۳۔

[3] ۔کشف الظنون ۲/ ۶۰۔

۲۹۔**شرح الصغیری**،امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفیؒ المتوفی ۹۵۶ھ کی تالیف ہے، جس میں صرف نماز کے مسائل اور جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، مکتبہ مجتبائی دہلی سے شائع شدہ ہے۔[1]

۳۰۔**شرح منظومۃ ابن وہبان**،علامہ عبدالوہاب بن احمد المعروف بابن وہبان الدمشقیؒ المتوفی ۷۶۸ھ کی تالیف ہے، جس میں آپ نے فقہ حنفی کے نادر اور غریب مسائل کو تقریباً ایک ہزار اشعار میں جمع فرمایا تھا، آج فقہ حنفی کی معتمد منظومات میں اس کا شمار ہے۔[2]

۳۱۔**شرح وقایہ**،علامہ عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد بن عبیداللہ بن ابراہیمؒ المتوفی ۷۴۷ھ کی تالیف ہے، جو آپ کے دادا کی تالیف "الوقایہ" کی شرح ہے اور درس نظامی میں شامل ہے، علامہ عبدالحئ فرنگی محلی کے مفید حواشی کے ساتھ دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[3]

۳۲۔**شرح النقایہ**،نور الدین علی بن سلطان محمد القاری الہروی الحنفیؒ المعروف بملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کی تالیف ہے، جو تاج الشریعہ محمود بن عبیداللہ کی کتاب وقایہ کی تلخیص نقایہ کی شرح ہے، مکتبہ اعزازیہ دیوبند سے

---

[1] ۔کشف الظنون ۵/۲۵۔الاعلام ۱/۶۶۔

[2] ۔کشف الظنون ۲/۶۹۳۔

[3] کشف الظنون ۲/۸۰۶۔

اس کی پہلی جلد "کتاب الحج" تک شائع ہوئی تھی، جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو احادیث صحیحہ سے کامیاب حد تک مدلل و محقق کیا گیا ہے۔[1]

۳۳۔ **عقود الدرایہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ**، امام محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ کی تالیف ہے، جس میں نئے پیش آمدہ مسائل کو جمع کیا گیا ہے، بیروت اور پاکستان سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[2]

۳۴۔ **عمدۃ المفتی**، امام حسام الدین برہان الائمہ عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ البخاری الحنفی المعروف بالصدر الشہیدؒ المتوفی ۵۳۶ھ کی تالیف ہے۔[3]

۳۵۔ **العنایہ**، علامہ اکمل الدین محمد بن محمود البابرتیؒ المتوفی ۷۸۶ھ کی تالیف کردہ ہے، یہ کتاب درس نظامی میں پڑھائی جانے والی فقہ حنفی کی بنیادی کتاب ہدایہ کی شرح ہے، جو فتح القدیر کے ساتھ اس کے حاشیہ پر شائع شدہ ہے۔

۳۶۔ **غنیۃ المستملي شرح منیۃ المصلي**، امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفیؒ المتوفی ۹۵۶ھ کی تالیف ہے، جس میں صرف نماز کے مسائل اور جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، اس کو شرح کبیری اور حلبی کبیر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، نماز سے متعلق مسائل میں اس کتاب کو مرجعیت حاصل ہے، مکتبہ اشرفیہ دیوبند سے شائع شدہ ہے۔[4]

---

[1] ۔ کشف الظنون ۵ / ۶۰۰۔

[2] ۔ کشف الظنون ۶ / ۲۸۶۔ الاعلام ۶ / ۴۲۔

[3] ۔ الاعلام ۵ / ۵۱۔ کشف الظنون ۴ / ۸۸۔

[4] ۔ کشف الظنون ۵ / ۲۵۔ الاعلام ۱ / ۶۶۔

۳۷۔ **فتح القدیر**، امام محقق کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی الاسکندری الشہیر بابن الہمامؒ المتوفی ۸۶۱ھ کی تالیف ہے، فقہ حنفی کی بنیادی کتاب ہدایہ کی شرح ہے، ہدایہ کی بہت سی شروحات ہیں، لیکن ان میں سب سے امتیازی شان "فتح القدیر" کو حاصل ہے۔[1]

۳۸۔ **فتاوی ابی اللیث**، فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندیؒ المتوفی ۳۸۳ھ کی تالیف ہے۔[2]

۳۹۔ **الفتاوی البقالی**، امام محمد بن ابی القاسم الخوارزمی المعروف بالبقالیؒ المتوفی ۵۶۲ھ کی تالیف ہے۔[3]

۴۰۔ **الفتاوی التاتارخانیہ**، علامہ فرید الدین عالم بن العلاء الاندر پتی الدہلوی الہندیؒ المتوفی ۷۸۶ھ کی تالیف ہے، یہ کتاب اب تک مخطوطہ کی شکل میں تھی، مگر محض اللہ کے فضل وانعام سے اس نا اہل کے ہاتھوں سے پہلی بار مکمل کتاب مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہے اور مکتبہ زکریا سے ۲۳ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے، جس میں تقریباً دس ہزار سے زائد احادیث وآثار کو فقہی مسائل کے ساتھ حاشیہ میں درج کیا گیا ہے۔

۴۱۔ **فتاوی حسام الدین**، شیخ امام برہان الائمہ عمر بن عبد العزیز بن عمر بن مازہ الشہیدؒ المتوفی ۵۳۶ھ کی تالیف کردہ ہے۔[1]

---

[1] ۔کشف الظنون ۶/ ۱۰۷، الاعلام ۶/ ۲۲۵۔ الفوائد البھیہ ۲۳۵۔

[2] ۔کشف الظنون ۲/ ۲۱۳۔

[3] ۔الاعلام ۶/ ۳۳۵۔ الفوائد البھیہ ۲۱۰۔

۴۲۔ **الفتاوی الخانیہ**، امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی الحنفیؒ المتوفی ۵۹۲ھ کی تالیف ہے، جس میں مذہب حنفی کے مفتی بہ اور راجح مسائل کو جمع کیا گیا ہے، فتاوی قاضی خان کے نام سے اہل علم کے درمیان مشہور ہے، پہلے یہ کتاب ہندیہ کے حاشیہ پر تین جلدوں میں شائع شدہ تھی، جب کہ اب یہ کتاب الگ سے مستقل تین جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[2]

۴۳۔ **فتاوی الخجندي**، امام تاج الدین احمد بن محمود بن عمر الخجندی الحنفیؒ المتوفی ۷۰۰ھ کی تالیف کردہ ہے۔[3]

۴۴۔ **فتاوی خواہر زادہ**، علامہ ابو بکر محمد بن الحسین بن محمد بن الحسین البخاریؒ المعروف بخواہر زادہ المتوفی ۴۸۳ھ کی تالیف کردہ ہے۔[4]

۴۵۔ **الفتاوی السراجیہ**، علی بن عثمان بن محمد بن سراج الدین الاوشیؒ کی تالیف کردہ ہے، ۵۶۹ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی، علماء کے درمیان اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے، مکتبہ اتحاد سے دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[5]

۴۶۔ **الفتاوی السغدی الشہیر باالنتف**، امام فقیہ ابو الحسن عطاء بن حمزہ السغدی السمرقندیؒ کی تالیف کردہ ہے۔[6]

---

[1] ۔کشف الظنون ۲/ ۲۱۴۔ الفوائد البھیہ ۱۹۳۔ الاعلام ۵/ ۵۱۔

[2] ۔کشف الظنون ۲/ ۲۱۸۔ الاعلام ۲/ ۲۲۴۔ الفوائد البھیہ ۸۴۔

[3] ۔کشف الظنون ۵/ ۲،۸۶/ ۲۱۴۔

[4] ۔کشف الظنون ۲/ ۲۱۵۔

[5] ۔کشف الظنون ۲/ ۲۱۵۔ الاعلام ۴/ ۳۱۰۔

[6] ۔کشف الظنون ۲/ ۲۱۶۔ الفوائد البھیہ ۱۵۱۔

۴۷۔**الفتاوی الصیرفیہ**،امام مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی البخاریؒ ومتقدمین کی کتابوں سے جمع کردہ فتاوی کا مجموعہ ہے، جس کی ترتیب حضرت کے کچھ طلبہ نے دی ہے اور ان ہی کی اجازت سے اس پر متقارب مسائل کا اضافہ بھی کیاہے۔[1]

۴۸۔**الفتاوی الظہیریۃ**، ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد القاضی البخاری الحنفیؒ المتوفی ۶۱۹ھ کی تالیف ہے، جس میں واقعات اور نوازل انتہائی ضروری مسائل کو یکجا کیا گیاہے، جس میں سے منتخب کرکے علامہ بد الدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ نے الگ سے ایک کتاب کی ترتیب دی ہے، جس کا نام "المسائل البدریۃ المنتخبۃ من الفتاوی الظہیریۃ" رکھا۔[2]

۴۹۔**الفتاوی العتابیہ**، ابو نصر احمد بن محمد العتابی البخاری الحنفیؒ المتوفی ۵۸۶ھ کی تالیف ہے، جس کا نام "جامع الفقہ" ہے اور اہل علم کے درمیان "فتاوی عتابیہ" کے نام سے مشہور ہے، جو چار ضخیم جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[3]

۵۰۔**الفتاوی القاسمیہ**، علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفیؒ المتوفی ۸۷۹ھ کی تالیف کردہ ہے۔[4]

---

[1] ۔کشف الظنون ۲/۲۱۷۔

[2] ۔کشف الظنون ۲/۲۱۷۔ الفوائد البھیہ ۲۰۳۔

[3] ۔کشف الظنون ۱/۴۴۸۔ الفوائد البھیہ ۴۸۔

[4] ۔مقدمہ تاتارخانیہ، ص:۱۲۰۔

۵۱۔**الفتاوی الولوالجیہ**، علامہ ابو الفتاح ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق الولوالجی المتوفی ۵۴۰ھ کی تالیف کردہ ہے، اس کا شمار فقہ کی بنیادی کتابوں میں ہے، اس میں مصنف نے مذہب کی معتبر ترین کتابوں سے استفادہ اور تلخیص کا خاص اہتمام کیاہے، یہ کتاب اب مکتبہ دارالایمان سہارن پور سے شائع شدہ ہے۔[1]

۵۲۔**الفتاوی الہندیہ**، یہ کتاب علم دوست مغل بادشاہ حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زمانہ کی شاہکار ہے، اس کتاب کی تالیف کے لئے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے رکن رکین قاضی محمد حسین جونپوری، شیخ علی اکبر الحسینی، اسعد اللہ خانی، شیخ حامد بن ابی حامد جونپوری اور مفتی محمد اکرم حنفی لاہوری تھے، اس کتاب کی تیاری میں اس دور میں دو لاکھ روپئے صرف ہوئے جو اس زمانہ میں بہت خطیر رقم تھی، جزئیات کی کثرت کے اعتبار سے یہ کتاب ممتاز حیثیت کی حامل ہے مفتی محمد سلمان منصور پوری کی زیر نگرانی تحقیقی نسخہ تیار کیا جارہاہے جس کی ۳ جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔[2]

۵۳۔ **فقہ البیوع**، محقق العصر شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثانی صاحب دامت برکاتہم کی تازہ ترین تصنیف ہے، جو دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

۵۴۔**کتاب الحجہ علی اہل المدینۃ**، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس میں فقہ حنفی کو احادیث وآثار سے مدلل کرکے بیان کیاگیاہے، یہ کتاب علامہ

---

[1] ۔الفوائد البھیہ ۱۲۱۔ الاعلام ۳/ ۳۵۳۔

[2] ۔مقدمہ تاتار خانیہ، ص: ۱۲۰۔ ۱۲۱۔

سید مہدی حسن الکیلانی القادری کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں دستیاب ہے۔

۵۵۔ **الکفایۃ**، علامہ سعدی آفندیؒ المتوفی ۹۴۵ھ کا تالیف کردہ ہے، ہدایہ کی شرح ہے، جو "فتح القدیر" کے ساتھ شائع شدہ ہے۔

۵۶۔ **کنز الدقائق**، علامہ امام ابو البرکات عبداللہ بن احمد المعروف بحافظ الدین النسفیؒ المتوفی ۷۱۰ھ کی تالیف کردہ ہے، یہ کتاب فقہ حنفی کے جامع متن کے طور پر متداول ہے، اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں، جیسے "البحر الرائق" تبیین الحقائق "النہر الفائق" وغیرہ۔[1]

۵۷۔ **المبسوط للسرخسي**، شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسیؒ المتوفی ۴۸۳ھ کی تالیف کردہ ہے، آپ نے یہ کتاب اوزجند کے قید خانہ میں املا کرائی تھی، جو اس وقت پندرہ جلدوں میں مکمل ہوئی تھی، جب کہ آج دار الکتب العلمیہ بیروت سے تیس جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[2]

۵۸۔ **مجمع الانہر**، علامہ عبدالرحمن بن الشیخ محمد بن سلیمان المدعو بشیخی زادہؒ المتوفی ۱۰۷۸ھ کی تالیف کردہ ہے، یہ کتاب ملتقی الابحر کی مفصل شرح ہے، دیگر شروحات کے مقابلے میں جزئیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، مکتبہ فقیہ الامت دیوبند سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[3]

---

[۱] ۔ کشف الظنون ۲/۴۳۵، ۴۳۴۔

[۲] ۔ شرح عقود رسم المفتی، ص: ۶۰، کشف الظنون ۲/۴۸۳۔ الاعلام ۵/۳۱۵۔ الفوائد البھیہ ۲۰۶۔

[۳] ۔ کشف الظنون ۲/۶۵۶۔

۵۹۔**المحیط البرہانی**،علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ البخاریؒ المتوفی ۶۱۶ھ کی تالیف ہے، جس میں کتب اصول، نوادر اور فتاوی وواقعات کے مسائل جمع کئے گئے ہیں، المجلس العلمی سے یہ کتاب ۲۵ جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

۶۰۔ **مختصر القدوری**، امام ابو الحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی الحنفیؒ المتوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے، یہ کتاب بہت زیادہ مقبول ومتداول ہے، تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل اس کتاب میں درج ہیں، جو بیسیوں کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں،اس کی متعدد شروحات اور حواشی لکھے گئے۔[1]

۶۱۔**مراقی الفلاح**،امام حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصریؒ المتوفیٰ ۱۰۶۹ھ کی شرح ہے، اس کتاب میں زیادہ تر جزئیات نماز کے مسائل سے متعلق ہیں۔[2]

۶۲۔ **ملتقی الابحر**، امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفیؒ المتوفی ۹۵۶ھ کی تالیف ہے، اس کا شمار فقہ حنفی کے بنیادی اور معتبر متون میں ہوتا ہے، یہ کتاب مجمع الانہر کے حاشیہ کے ساتھ مکتبہ فقیہ الامت سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

۶۳۔**الملتقط**، امام ناصر الدین ابی القاسم محمد بن یوسف الحسینی السمرقندیؒ المتوفی ۵۵۶ھ کی تالیف کردہ ہے۔[1]

---

[1] ۔الفوائد البھیہ ۳۰۔ کشف الظنون ۲/ ۵۲۰۔ الاعلام ۱/ ۲۱۲۔

[2] ۔الاعلام ۲/ ۲۰۸۔ کشف الظنون ۲/ ۷۷۸۔

[3] ۔الاعلام ۱/ ۶۶۔ کشف الظنون ۵/ ۲۵۔

۶۴۔**منحۃ الخالق**،امام محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ کا "البحر الرائق" پر بے نظیر حاشیہ ہے، جو "البحر الرائق" کے ساتھ حاشیہ پر شائع شدہ ہے۔[2]

۶۵۔**النوازل**،علامہ فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی الحنفیؒ المتوفی ۳۸۳ھ کی تالیف ہے، یہ کتاب جمعہ کے دن ۲۶ جمادی الاولیٰ ۳۷۰ھ میں مکمل ہوئی تھی۔[3]

۶۶۔**النہر الفائق**، سراج الدین عمر بن نجیمؒ المتوفی ۱۰۰۵ھ کی تالیف کردہ ہے، یہ کتاب فقہ حنفی کی مشہور اور جامع متن "کنز الدقائق" کی شرح ہے، یہ کتاب دار الکتب العلمیہ سے تین جلدوں میں شائع شدہ ہے۔[4]

۶۷۔**نور الایضاح**،امام حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصریؒ المتوفی ۱۰۶۹ھ کی تالیف کردہ ہے،فقہ میں یہ کتاب اتنی عمدہ ہے کہ تمام مدارس میں صدیوں سے پڑھائی جاتی ہے،اس میں صرف عبادات سے متعلق مسائل ہیں۔[5]

۶۸۔**ہدایہ شرح بدایۃ المبتدی**، شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی الحنفیؒ المتوفی ۵۹۳ھ کی شاہکار علمی تصنیف ہے،اس

---

[1] ۔کشف الظنون ۲/ ۶۵۴۔الفوائد البھیہ ۲۸۹۔

[2] ۔کشف الظنون ۲/ ۶،۴۵۳/ ۲۸۶۔الاعلام ۶/ ۴۲۔

[3] ۔الفوائد البھیہ ۲۹۰۔

[4] ۔کشف الظنون ۲/ ۴۳۵۔

[5] ۔الاعلام ۲/ ۲۰۸۔کشف الظنون ۲/ ۷۷۸۔

کا شمار فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں ہے، صدیوں سے یہ کتاب داخل درس ہے، اس کتاب کی شان میں یہ اشعار منقول ہیں:

إن الهداية كالقرآن قد نسخت۔۔۔۔۔۔۔ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

فاحفظ قواعدها واسلک مسالكها۔۔۔۔۔۔۔يسلم مقالک من زيغ ومن كذب [1]

یہ وہ چند کتب ہیں جو فقہ حنفی کے مسائل میں معتبر جانی جاتی ہیں ان کے علاوہ بھی عربی، اردو میں کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جو علماء احناف کا گراں قدر کارنامہ ہے جسے بیان کرنے کے لئے کئی جلدوں میں ضخیم کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔ فقہ حنفی میں ان کتب کو ماخذ کا درجہ حاصل ہے اس لئے ہم نے یہاں ان کا مختصر تذکرہ کیا ہے، تاکہ قارئین کو معلوم ہو کہ اس کتاب (اصلی حنفیت) میں ذکر شدہ مسئلہ حنفی رائے اور حنفی مسئلہ ہے۔ ہمارے محترم مفتی فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ نے اس کتاب کی تحقیق و تخریج میں ان مذکورہ کتب میں سے اکثر سے استفادہ کیا ہے۔ اللہ رب العزت علماء احناف کی اس خدمت کو قبول فرمائے، اور ان کے مراتب کو مزید بلند فرمائے۔ (آمین)

مفتی محمد ہارون الرشید عفی عنہ
معاون مفتی دار الشیبانی للافتاء والتحقیق
تحصیل پہاڑپور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

---

[1] ۔ کشف الظنون ۲/ ۸۱۶۔ الفوائد البھیہ ۱۸۲۔

مقدمة التحقيق

موجودہ دور انحطاط میں جہاں خارجی فتنوں نے اسلام اور مسلمانوں کی حقیقی روح کو مسخ کرنے میں کسر نہیں چھوڑی وہیں کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں نے اندرونی طور پر اسلامی اقدار و حقیقی ضابطہ اسلام کو پیٹ کی خاطر بدلنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اس لئے ہر دور میں ایسی شخصیات سے دین کا کام لیا جو اس کے نزدیک اس کام کے لئے بہتر و موزوں تھیں۔ انہی شخصیات میں سے ایک شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ کی شخصیت ہے جنہوں نے برصغیر میں مسلمان ہند کی باطنی اصلاح کے ساتھ ساتھ عقائد و اعمال کو بھی سنوارنے کی حتی الوسع کوشش کی زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت لاہوریؒ نے اس کتاب میں اہل حق کے طریق حنفیت کو واضح کرنے کے ساتھ ان بدعات اور محدثات کا تعاقب بھی کیا ہے جن کو ہندوستان میں حنفیت کے نام سے مشہور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کتاب میں جن رسوم سے متعلق مباحث ہیں ان کی مخالفت سختی اور شدت سے علماء احناف ابتداء ہی سے کرتے چلے آئے ہیں، ان تمام میں سے کسی کا بھی کوئی سنی حنفی قائل نہیں ہے، اور ان رسوم کے رد میں ہمارے اکابرین نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں، جن کے جواب میں اہل بدعت کی طرف سے ان کی تکفیر بھی کی گئی اور غلیظ القابات سے بھی نوازے گئے ،اسی لئے احناف علمائے دیوبند ہی کی کتب ان بدعات ورسومات کے رد میں زیادہ ملتی ہیں کہ ان کے خلاف عملی جہاد، زبان قلم اور ہر ممکنہ طریقہ سے انہی حضرات نے کیا اور الحمد اللہ یہ وہ خوش نصیب طبقہ ہے جو ہر دور کے افراط اور تفریط سے اپنا دامن بچا کر حق پر چلا آرہا ہے اور لوگوں کی درست سمت رہنمائی کرنے کا عظیم کام انجام دے رہا ہے چنانچہ جس کسی نے بھی دیانت اور تلاش حق کی نیت سے ان کے کام کا جائزہ لیا ہے وہ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ حق

انہی کے ساتھ ہے اور یہ لوگ کام کر نہیں رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے کام لینے کے لئے اس عظیم جماعت کا انتخاب فرمایا ہے اللہ تعالی ہمیں اسی کاروان حق کے ساتھ رکھیں اور ہمہ قسمی افراط و تفریط اور بدعات ورسوم سے بچا کر حق شناسی کی دولتِ عظیمہ سے نوازیں۔

ا۔ زیر نظر کتاب میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے اصل الفاظ کو متن میں رکھا گیا ہے اور اس کو حاشیہ میں دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔

۲۔ کوشش کی گئی ہے کی کتاب میں مذکور ہر مسئلہ کی دلیل فقہ حنفی کے معتبر ماخذ سے دی جائے۔

۳۔ کتاب میں جہاں کہیں اکابر کا ذکر ہوا ہے حاشیہ میں ان کے مختصر حالات بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

۴۔ کچھ جگہوں پر مفید تعلیقات کا بھی اضافہ حاشیہ میں کیا گیا ہے۔

۵۔ چونکہ حضرت لاہوریؒ نے صرف انہی رسوم کا تذکرہ کیا جن میں اس وقت شدت تھی تاہم ہم نے مزید رسوم و بدعات جو آج کل پھیل چکی ہیں اور ان کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو حنفیت کے دعوی دار ہیں ان بدعات کو ضمیمہ کے تحت ذکر کیا ہے تاکہ قارئین کتاب زیادہ مستفید ہو سکیں۔

۶۔ جہاں جہاں عربی یا فارسی عبارات کے ترجمے کی ضرورت تھی وہاں عام فہم انداز میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔

۷۔ طوالت کے اندیشے کی وجہ سے متن میں زیادہ دلائل کی بجائے حاشیہ میں دلائل ذکر کئے ہیں تاکہ طالب حق کو تشنگی نہ رہے۔

۸۔ کتاب کی تحقیق اور تخریج میں کسی خاص طبقہ کی رائے کو معیار اور بنیاد بنانے کی بجائے فقہ حنفی کے مسلم اکابر کی رائے پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور چونکہ برصغیر پاک وہند میں اکثریت حنفی المذہب ہے اس لئے معیار بھی حنفیت ہی کو مقرر کیا گیا ہے۔

۹۔ اگر کہیں کسی اور شخصیت کا حوالہ آیا ہے تو وہ بطور استشہاد کے ہے نہ کہ بطور دلیل و بنیاد کے۔

۱۰۔ کتاب کی تحقیق اور تخریج میں کسی خاص مکتب فکر یا مسلک کو نشانہ نہیں بنایا گیا بلکہ عمومی طور پر معاشرے میں پھیلی خلاف شریعت باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور قارئین کو ایک دعوت فکر دی گئی ہے۔

اللہ تعالی اس کتاب کو ہدایت اور نجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔

(مفتی) فضل الرحمن حنفی عفی عنہ

(نائب رئیس) دار الشیبانی للافتاء والتحقیق

پہاڑ پور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ، اما بعد انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۔

ترجمہ: بے شک میں نے اپنا منہ اس ذات پاک جل مجدہ کی طرف پھیرا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا۔ میں سوائے ایک خدا تعالیٰ کے کسی کا نہیں ہوں، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

حنفی بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ: ہماری آپس کی ناچاقی کے باعث لاہور میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ اس اختلاف کے باعث ہم اپنا دین بھی برباد کر رہے ہیں اور دنیا کی تباہی بھی خرید رہے ہیں۔

آؤ ذرا علماء کے اختلاف پر تنقیدی نظر ڈالیں اور جانچیں کہ یہ حنفی علماء کیوں لڑ رہے ہیں، اور ان میں سے مسلمانوں کا سچا خیر خواہ کون ہے؟ اور حضرت امام الائمہ مولانا و مقتدانا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح متبع کون ہے؟ اور حنفیت صحیحہ کا علم بردار کون ہے؟

تقلید کا صحیح مطلب:

حنفی بھائیو! اپنے مذہب کو کھیل اور تماشا نہ بناؤ بلکہ تمہارا فرض ہے کہ سوچو کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے تمام سلف صالحین احناف رحمہم اللہ تعالیٰ اس امر پر متفق ہیں کہ سب سے

پہلے ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ ہم اسی کے بندے ہیں، اور جب اس کا حکم صریح مل جائے تو پھر کسی اور کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔اس کے بعد نمبر دوم سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ ہیں، جب ان دونوں مقامات سے کوئی مسئلہ سمجھ نہ آئے تو پھر اجماع امت کو دیکھا جائے کہ آیا پہلے مبارک زمانوں میں اس مسئلے پر بحث ہوئی ہے اور کچھ طے پایا ہے۔اگر وہ مل جائے تو فبھا ورنہ پھر شرعاً قیاس کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ انسان خود قیاس کرے اگر کسی بڑے عالم اعلیٰ درجے کے متقی، عابد، زاہد، ماہر علوم کتاب اللہ و سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قیاس پر اس شرط سے عمل کرے کہ اگر میرے امام کی رائے اللہ تعالیٰ کی کتاب پاک یا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ارشادات کے مخالف ہوئی تو اس کو چھوڑ دوں گا۔اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ تو اسی کا نام تقلید ہے[1]

[1] ۔**تقلید کی لغوی تعریف**: القلادة التی فی العنق ---ومنہ التقلید فی الدین ۔(مختار الصحاح لمحمد بن ابی بکر الرازی ص ۵۶۰) وہ ہار جو گلے میں ہو، اور اسی سے دین میں تقلید مشتق ہے، ۲۔التقلید لغۃ جعل القلادة فی العنق ۔(کشاف اصطلاحات الفنون، ج ۲، ص ۱۱۷۸) تقلید لغت میں گردن میں ہار ڈالنے کو کہتے ہیں

تقلید کی اصطلاحی تعریف: التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدا للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل کان ھذا المتبع جعل قول الغیر او فعلہ قلادة فی عنقہ من غیر مطالبۃ الدلیل۔(کشاف اصطلاحات الفنون، ۲/۱۱۷۸۔ التعاریف للمناوی، ص ۱۹۹) کسی انسان کی اپنے غیر کی اتباع قولاً یا عملاً اس کے حق ہونے کی عقیدت کے ساتھ بغیر دلیل کا مطالبہ کئے تقلید کہلاتی ہے، گویا کہ اتباع کرنے والا غیر کے قول یا فعل کو بغیر دلیل مانگے اپنے گلے کا ہار بناتا ہے۔ ۲۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

،سراج الامت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پنا ارشاد ہے:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی[1]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے جو حدیث صحیح مل جائے وہی میرا مذہب ہے۔

چنانچہ ہمارے فقہائے عظام کے یہاں یہی اصول اربعہ مسلمہ ہیں۔

اعلم ان اصول الشرع ثلاثۃ الکتاب والسنۃ واجماع الامۃ والاصل الرابع القیاس ۔۔۔الی قولہ فما دام کان الحکم موجودا فی واحد من الثلاثۃ لم تحتج الی القیاس ۔[2]

فرماتے ہیں: تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلادے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔(الاقتصاد از حضرت تھانویؒ ص ۱۰)۔۳۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں: مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کا ایسے مجتہد کے مفتٰی بہ مسائل کو بلا مطالبہ دلیل مان لینا جس کا مجتہد ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو اور اس کا مذہب اصولا و فروعا مدون ہو کر مقلد کے پاس تواتر کے ساتھ پہنچا ہو۔(فائل متعلقہ تقلید ص ۳)

تقلید کن مسائل میں ہوتی ہے: مسائل شرعیہ دو قسم کے ہیں،واضح اور غیر واضح پھر غیر واضح کی پانچ اقسام ہیں ا۔مسائل غیر منصوصہ ۲۔مسائل منصوصہ متعارضہ ۳۔ مسائل منصوصہ مجملہ ۴۔مسائل منصوصہ محتملۃ المعانی ۵۔مسائل منصوصہ غیر متعینۃ الاحکام،تو مقلد کی تقلید ان غیر واضح پانچ قسم کے مسائل میں ہوتی ہے۔

[1] ۔ ردالمحتار،شامی،۱/۴۸،مطبوعہ میمنیہ مصر۔ فقد صح عن ابی حنیفۃؒ انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی وقد حکی ذالک الامام عبد البر عن ابی حنیفۃؒ وغیرہ من الائمۃ ونقلہ ایضا الامام الشعرانی ۔(**عقود رسم المفتی ص ۱۷**)امام ابو حنیفہؒ سے صحیح سند سے روایت کی گئی ہے کہ آں حضرت ﷺ سے جو حدیث صحیح مل جائے وہی میرا مذھب ہے،امام عبد البر نے امام ابو حنیفہ وغیرہ سے یہ روایت کی ہے اور دوسرے ائمہ نے بھی اس کو اسی طرح امام شعرانیؒ سے نقل کیا ہے۔

[2] ۔نور الانوار ص ۷،۶۔

ترجمہ: بے شک شریعت کے اصول تین ہیں کتاب[1]، سنت[2]
،اجماع امت[3] چوتھا قیاس[4] (اِلٰی قولہ) پس جب تک کوئی حکم
پہلے تین اصولوں میں ملے تو چوتھے اصول قیاس کی طرف
جانے کی ضرورت نہیں۔[5]

حنفی دراصل فقط امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہے:

فقہ حنفی کی بنیاد ائمہ ثلاثہ یعنی امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دو شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال پر ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال بھی دراصل

۱۔ اما الکتاب فالقرآن المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلا متواترا بلا شبھۃ۔(نور الانوار ص۱۳) بہرحال کتاب وہ قرآن ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور دو گتوں کے درمیان لکھا ہوا ہے اور بغیر کسی شک وشبہ کے متواتر نقل ہوتا آیا ہے۔

۲ - السنۃ تطلق علی قول الرسول و فعلہ و سکوتہ وعلی اقوال الصحابۃ وافعالھم۔(نورالانوار ص ۱۸۷) سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے اقوال،افعال اور تقریرات پر ہوتا ہے اور اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے افعال پر بھی ہوتا ہے۔

۳ - فی الشریعۃ اتفاق مجتھدین صالحین من امۃ محمد ﷺ فی عصر واحد علی امر قولی او فعلی۔(نور الانوار ص ۲۳۰)شریعت میں نیک صالح ایک زمانے کے مجتہدین کا کسی امر پر قولی یا فعلی اتفاق اجماع کہلاتا ہے۔

۴ - وھو تعدیۃ الحکم من الاصل الی الفرع بعلۃ متحدۃ لا یدرک بمجرد اللغۃ ۔(التوضیح والتلویح، ص۳۶۳) وہ اصل سے فرع کی جانب حکم کو لے جانا ہے ایسی مشترک علت کی وجہ سے جسے محض لغت سے نہ سمجھا جا سکے۔

۵ - نورالانوار ص۶۔۷

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہی اقوال ہیں۔ اس لئے حاصل یہ نکلا کہ فقہ حنفی کا مدار اقوال حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔ چنانچہ امام صاحبؒ کے تمام بڑے بڑے شاگردوں کا حلفیہ بیان ہے کی ہم سوائے امام صاحب کے قول کے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے:

قال أبو يوسف: ما قلت قولا خالفت فيه أبا حنيفة إلا قولا قد كان قاله. وروى عن زفر أنه قال: ما خالفت أبا حنيفة في شيء إلا قد قاله ثم رجع عنه، فهذا إشارة إلى أنهم ما سلكوا طريق الخلاف، بل قالوا ما قالوا عن اجتهاد ورأي اتباعا لما قاله أستاذهم أبو حنيفة. اهـ وفي آخر الحاوي القدسي: وإذا أخذ بقول واحد منهم يعلم قطعا أنه يكون به آخذا بقول أبي حنيفة، فإنه روى عن جميع أصحابه من الكبار كأبي يوسف ومحمد وزفر والحسن أنهم قالوا: ما قلنا في مسألة قولا إلا وهو روايتنا عن أبي حنيفة وأقسموا عليه أيمانا غلاظا فلم يتحقق إذا في الفقه جواب ولا مذهب إلا له كيفما كان، وما نسب إلى غيره إلا بطريق المجاز للموافقة. اهـ [1]

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کی ہو۔ میں نے وہی بات کہی ہے جو آپؒ نے فرمائی ہے۔ اور امام زفرؒ سے روایت کی گئی ہے فرماتے ہیں میں نے امام ابو حنیفہؒ کی کسی مسئلے میں مخالفت نہیں کی البتہ وہی کہا ہے جو آپؒ نے فرمایا تھا، پھر خواہ امام صاحب نے رجوع کر لیا ہو۔ ان باتوں میں اس امر کی

[1]۔ ردالمحتار، شامی، ۱/۶۸، دار الفکر - بیروت

طرف اشارہ ہے کہ امام صاحبؒ کے شاگرد ان کے خلاف نہیں چلے ۔جو کچھ انہوں نے فرمایا اپنی رائے اور اجتہاد سے بھی وہی فرمایا جو امام صاحب کے فرمودہ کے عین مطابق تھا ۔اور الحاوی القدسی کے اخیر میں ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک کا قول لیا جائے تو یقینا سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ شخص امام صاحب کا قول لے رہا ہے ۔کیونکہ آپؒ کے تمام بڑے شاگردوں مثلا، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسنؒ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کسی مسئلہ میں اپنی رائے سے نہیں کیا وہی کہا ہے جو ہمیں امام صاحبؒ سے روایت ملی تھی ۔اپنے پاس بیان پر انہوں نے بڑی پکی قسمیں بھی کھائی ہیں لہذا اب فقہ (حنفی) میں سوائے امام ابو حنیفہ کے جواب اور مذھب کے کچھ نہیں ہو گا ۔ اور دوسروں کی طرف نسبت مجازی ہو گی ۔ تا کہ معلوم ہو کہ یہ بھی امام صاحبؒ کے موافق ہے۔

حنفیت میں ہمارا طریقہ:

عزیز بھائیو! ہم تو اس معنی میں حنفی ہیں جو ہمارے سلف صالحین کا پاک مسلک تھا۔یعنی سب سے پہلے رب العزت جل جلالہ و عم نوالہ کی کتاب مقدس یعنی قرآن کریم پر عمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔اگر کوئی مسئلہ واضح طور پر کتاب اللہ سے سمجھ میں نہ آئے تو سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے اس کا حل تلاش کیا جائے، اگر بالفرض اپنی کوتاہ نظری، کم فہمی کے باعث وہاں سے بھی سمجھ نہ آئے تو پھر غیر مجمع علیہ مسئلہ میں امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ[1] کے ارشادات یا ان کے مقدس شاگردوں (مثلاً امام ابو یوسفؒ[2]، امام محمدؒ[3]، امام زفرؒ[4]، امام حسنؒ[5]) میں سے کسی کے قول پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ

---

[1] ۔ سراج الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ الکوفی ولادت ۸۰ ہجری میں ہوئی، آپ اجلہ ائمہ کرام میں سے ہیں، اور مذہب حنفیہ کے سرخیل ہیں، مسائل فقہیہ کی تدوین کے موجد ہیں، آپ کا شمار تابعین میں سے ہوتا ہے آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

(حدائق الحنفیہ، ص ۱۷۔ تنسیق النظام ص ۱۰)

[2] ۔ الامام قاضی ابویوسفؒ ان کی کنیت ابویوسف ہے، نام یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری، کوفی بغدادی ہے۔ آپؒ کی ولادت ۱۱۳ھ میں ہوئی اور وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب اور مسلک کو پھیلانے والے ہیں، فقیہ بھی اور حفاظ حدیث میں سے بھی تھے۔ اور بادشاہ ہارون رشید اور ان کے بیٹے کے زمانہ میں قاضی القضاۃ رہے، چنانچہ حضرت امام ابویوسفؒ کو قاضی الدنیا کہا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو: (البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۸۰)
ان کی پیدائش کوفہ میں ہوئی ہے اور بغداد چونکہ سلطنت اسلامی کا مرکزی پارلیمنٹ تھا؛ اس لئے سب سے بڑی عدالت کے سب سے بڑے قاضی امام ابویوسف رہے اور انہیں کے ذریعہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب اور مسلک کی اشاعت تمام علاقوں میں ہوئی۔ (فوائد بہیہ/ ۲۹۷)

[3] ۔ الامام محمد بن الحسن الشیبانی ان کی کنیت ابوعبداللہ، نام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی ہے، ان کے والد ملک شام سے عراق تشریف لائے، مقام واسط میں ان کی پیدائش ہوئی اور کوفہ میں ان کی پرورش ہوئی، آپؒ کی ولادت ۱۳۱ھ میں اور وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی، انہوں نے امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ سے علم حاصل کرنے کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صحبت اختیار فرمائی اور انہیں سے فقہ وتفقہ حاصل کیا، کہا جاتا تھا کہ امام محمد ''أعلم الناس بكتاب الله'' تھے،

لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والی شخصیت تھی۔ عربی ادب، نحو، صرف، حساب وریاضی کے ماہر تھے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے امام محمد سے علم حاصل کیا ہے اور ان سے بڑا اصاحب علم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علوم اور ان کے مسلک کو امام محمدؒ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلایا۔ ۹۹۹ کتابیں امام محمدؒ نے لکھی ہیں۔ اور امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ اس قدر دقیق اور باریک مسائل آپ نے کہاں سے حاصل کئے؟ تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ امام محمد کی کتابوں سے حاصل کئے ہیں، ان کی کتابوں کے تین درجات بنے ہیں: (۱) ظاہر الروایت (۲) نادر الروایت (۳) نازل الروایت۔ اور ان کی ظاہر الروایت میں ۶ / کتابیں بہت زیادہ مشہور ہیں، جن کو فقہ حنفی میں اصل الاصول کی حیثیت دی گئی ہے:

(۱) مبسوط (۲) زیادات (۳) الجامع الکبیر (۴) الجامع الصغیر (۵) السیر الکبیر (۶) السیر الصغیر۔ ملاحظہ ہو: (فوائدہ بہیہ / ۲۱۲، الاعلام ۶ / ۸۰)

4- الامام زفر بن ہذیل یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اہم ترین تلامذہ میں سب سے بڑے ہیں، اور ان کے مشہور تلامذہ میں سب سے پہلے وفات پانے والے ہیں، حضرت امام زفرؒ بہت بڑے فقیہ ہیں، مسائل کے استنباط میں ان کی نظریں بہت ہی گہرائی تک پہنچ جاتی ہیں، یہ اصلاً اصبہان کے رہنے والے ہیں، بصرہ میں ان کا قیام رہا اور وہاں کے قاضی بھی رہے ہیں اور بصرہ ہی میں ان کی وفات ہوئی ہے اور یہ ان دس اہم ترین فقہاء میں سے ہیں، جنہوں نے مسائل فقہ کو کتابی شکل دے کر مدون فرمایا ہے۔ کبھی حضرت امام ابویوسفؒ کے ساتھ کسی مسئلہ میں مناظرہ کی شکل ہو جاتی تھی اور امام زفرؒ زبان کے اعتبار سے بہت فائق تھے، جس کے نتیجہ میں امام ابویوسفؒ پر غالب آجایا کرتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جب اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو تلامذہ میں سے حضرت امام زفر کو سب سے مقدم اور آگے رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو: (الاعلام للزرکلی ۳ / ۴۵)

ان کی پیدائش ۱۱۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو: (فوائد بہیہ / ۹۹)

5- الامام حسن بن زیاد اللؤلؤی یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے، انتہائی ذہین وفطین اور فقیہ تھے، حفص ابن غیاث کے بعد ۱۹۴ھ میں ان کو کوفہ کا قاضی بنایا گیا، پھر کچھ دنوں کے بعد عہدۂ قضاء سے مستعفی ہوگئے۔ مسلک حنفی کے بڑے بڑے فقہاء نے ان سے فقہ وتفقہ حاصل کیا ہے،

انہی حضرات کا حلفیہ بیان پہلے گزر چکا ہے کہ ہم ہر قول میں امام صاحب کے پابند ہیں۔لہذا بحیثیت حنفی ہونے کے ہم ان حضرات کے اقوال کے سامنے سر جھکانا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ان کے سوا کسی شخص کا قول ماننے کے لئے ہم مجبور نہیں ہیں کہ جو حنفی کہلائے وہ ہمارا آقا بن جائے۔لہذا ہمارا یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ ہم پکے حنفی ہیں۔جو عزت ہمارے دل میں بلحاظ اتباع و تقلید امام صاحب کی ہے وہ درجہ کسی اور کو نصیب نہیں۔

ہمارے مخالف لاہوری بھائیوں کی حنفیت:[1]

اگر ہمارے سارے بھائی مذکورہ الصدر اصول پر کاربند ہو جائیں تو آج جھگڑا مٹ سکتا ہے۔لیکن یہاں تو عجیب قصہ ہے کہ جو چیز ایجاد کر و وہ حنفیت میں کھپ سکتی ہے۔آج کل لاہوری حنفیت میں بجائے اتباع کتاب اللہ و سنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع بدعات کا بڑا زور ہے [2]۔اگر کوئی مسلمان رسول اللہ

جیسا کہ محمد ابن سماعہ اور محمد ابن شجاع الثلجی، امام علی الرازی وغیرہ۔۲۰۴ھ میں ان کی وفات ہوئی اور اسی سال قیام مصر کے زمانہ میں امام شافعیؒ کی بھی وفات ہوئی۔

[1] ۔لاہوری قید اضافی کے طور پر ہے ورنہ مراد اس سے وہ تمام بدعتی ہیں جو خود کو حنفی کہلاتے ہیں۔

۱۔ **بدعت کی تعریف:** علامہ شمنیؒ نے اس کی یہ تعریف کی ہے جسکو فقہاء نقل کرتے ہیں: ماأحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ ﷺ من علم اوعمل اوحال بنوع شبہۃ واستحسان وجعلہ دینا قویما وصراطا مستقیما۔(حاشیۃ ابن عابدین ۱/۵۶۔البحر الرائق ۱/۳۴۹) نبی کریم ﷺ سے ملے ہوئے حق کے خلاف علم میں یا عمل دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرنا بدعت کہلاتا ہے۔مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرونِ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔(راہِ سنت، ۷۹)اور مفتی کفایت اللہؒ لکھتے ہیں: بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جنکی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف میں اس کا

صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ اسلام کے ارکان کا بھی تارک ہو(توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) لیکن بعد کے ایجاد کردہ وظائف یا رسموں کا پابند ہو تو اسے سچا حنفی مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کردہ اسلام کا پورا پابند ہو مثلا توحید اور رسالت کا معتقد ہے۔ نماز کا پابند ہے۔ رمضان شریف میں بالالتزام روزہ رکھا کرتا ہے زکوٰۃ سالانہ ادا کرتا ہے۔ حج کر آیا ہے، اسی طرح تمام امور شرعیہ کو صحیح مانتا ہے[1]، لیکن پنجاب کے اسلام کی ضروریات کا پابند نہیں تو وہ وہابی ہے کافر ہے رسول اللہ ﷺ کا منکر ہے، بزرگوں کا دشمن ہے جو چاہو اسے گندے سے گندے لقب دے دو۔[2]

چونکہ یہ تمام رسمیں بعد کی ایجاد ہیں، ان کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں ہے اور نہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہے۔ اور نہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں پایا جاتا ہے، لہذا کوئی مسلمان ان کو ماننے کے لئے مجبور نہیں ہے۔ پس اگر کوئی ان کی فرضیت تسلیم نہ کرے تو وہ بھی پکا مسلمان رہ سکتا ہے

ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ ااور صحابہ کرام اور تابعین اور تبعِ تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہوا اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا چھوڑا جائے۔ (راہِ سنت ص ۱۱۹ بحوالہ الاعتصام ۱ / ۳۴)

[۱] ۔یعنی مخصوص بدعتی لوگوں کے اسلام

[۲] . ان فی اصل اصطلاح بلاد الهند كان اطلاق الوہابی علی من ترک تقلید الائمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثم اتسع فیہ وغلب استعمالہ علی من عمل بالسنۃ السنیۃ وترک الامور المستحدثۃ الشنیعۃ والرسوم القبیحۃ۔ (المہند علی المفند ص ۹، مطبوعہ امدادیہ گوڑ گانوہ) ہندوستان کے علاقوں میں اس اصطلاح کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جو کسی امام کی تقلید نہ کرتا ہو پھر اس میں مزید وسعت ہوئی اور ہر ایسے شخص کو (وہابی) کہا جانے لگا جو متبع سنت ہو اور ہر قسم کی بدعات اور رسومات کو ترک کرنے والا ہو۔

کیونکہ یہ چیزیں رسول اللہ ﷺ کے دین کا جزو ہرگز ہرگز نہیں ہیں بلکہ سلف صالحین کے اقوال کی رو سے ان رسومات کا مرتکب بدعتی کہلاتا ہے اور بدعتی کے لئے جو وعید ہے وہ آئندہ تفصیل سے ملاحظہ ہو:

اسلام پنجاب کے ضروری ارکان							
نمبر شمار	نام رکن	سن ایجاد	حضور ﷺ کے کتنا عرصہ بعد ایجاد ہوا	سن ولادت امام ابوحنیفہؒ	سن وفات امام ابوحنیفہؒ	امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے کتنا عرصہ بعد ایجاد ہوا	کیفیت
۱	قیام مجلس میلاد نبی ﷺ	۶۰۴ھ	۵۹۴ سال	۸۰ھ	۱۵۰ھ	۴۵۴ سال	تاریخ ابن خلکان میں ملاحظہ ہو
۲	مرنے کے بعد تیجہ۔چالیسواں ۔اسقاط وغیرہ	ان رسموں کے ایجاد کی کوئی صحیح تاریخ معلوم نہیں اور ان کا بے اصل ہونا تفصیل سے واضح ہے۔					
۳	نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنا	۷۸۱ھ	۷۷۱ سال	۸۰ھ	۱۵۰ھ	۶۳۱ سال	
۴	گیارھویں(۱)	۵۰۰ھ کے بعد	۴۹۰سال	۸۰ھ	۱۵۰ھ	۳۵۰ سال	
۵	وظیفہ یاشیخ عبد القادر جیلانی شیئاللہ	۵۰۰سال کے بعد	۴۹۰ سال	۸۰ھ	۱۵۰ھ	۳۵۰ سال	
۶	وظیفہ امداد کن	۵۰۰سال کے بعد	۴۹۰ سال	۸۰ھ	۱۵۰ھ	۳۵۰ سال	

۷	رسول اللہ ﷺ کو بشر کہنے والے کافر ہیں	یہ عقیدہ چودھویں صدی ہجری کی ایجاد معلوم ہوتی ہے۔

(۱) حضرت شیخ المشائخ قدوۃ السالکین امام المتقین شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ولادت ۴۷۱ھ میں ہے اور ۵۶۱ھ میں وفات ہوئی اور یہ وظائف آپؒ کے زمانے میں بھی نہیں تھے، بعد کو بنائے گئے ہیں، لہذا کم از کم پانچویں صدی کے یقینا بعد ایجاد ہوئے ہیں، لہذا حنفیت اور سلسلہ قادریہ میں سے کسی کا جزو نہیں۔

اس چھوٹے سے رسالے میں ان رسموں اور وظائف کے جواز و عدم جواز پر مکمل بحث نہیں ہو سکتی، لیکن مختصر طور پر کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔

قیام مجلس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی وابی) کی ولادت باسعادت کا ذکر خیر اور آپ کے وجود مسعود کے برکات کا ذکر کیا جائے۔ سنانے والا عالم ہو سننے والے اتباع و اخلاق نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا ولولہ اور تڑپ دل میں رکھتے ہوں [1] تاریخ کی تعیین نہ کی جائے [2] تو ایسی مجلس ہر طرح سے مبارک اور رحمت

[1] ۔ ہمارے اکابرین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ محفلِ میلاد وغیرہ فی نفسہ مباح ہے البتہ خرابی ان بدعات وخرافات کی وجہ سے ہے جو ان میں پائی جاتی ہیں۔

امداد الفتاوی میں ہے: والاحتفال بذکرالولادۃ الشریفۃ ان کان خالیاً من البدعات المروجۃ فہوجائزبل مندوب کسائرأذکارہ۔ (امدادالفتاوی ۶/۳۲۷) نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ کے موقع پر جلسہ منعقد کرنا جبکہ وہ بدعات مروجہ سے خالی ہو جائز ہے بلکہ مستحب ہے جس طرح کہ دوسرے سارے اذکار وغیرہ۔

[2] ۔ اسی طرح عبادات کے اندر اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بھی بدعت ہے۔

مسلم شریف میں ہے: لاتخصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الاأن یکون فی صوم یصوم أحدکم ۔(صحیح مسلم ۱/۳۶۱) کہ جمعہ کی رات کو قیام کے لئے اور جمعہ کے دن کو روزے کے لئے مخصوص نہ کروالا یہ کہ کسی کے روزوں میں یہ دن آجائے۔

الہیہ کے نزول کا باعث ہو گی ۔ لیکن موجودہ مجالس میلاد میں بہت سی چیزیں خلاف شرع ہیں [1]۔ اس لئے معیوب ہیں۔ مثلاً بہت سے چراغ جلانا اسراف ہے جو

الاعتصام میں ہے: ومنہا التزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لہا ذلک التعیین فی الشریعۃ ۔ **(راہِ سنت ص ۱۱۹ بحوالہ الاعتصام ۱/ ۳۴) اور انہی (بدعات) میں سے یہ بھی ہے کہ عبادات کو ایک وقت کے ساتھ متعین کر دیا جائے جبکہ اس تعیین کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے۔**

البحر الرائق میں ہے: ولأن ذکراللہ تعالی اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون أوبشیء لم یکن مشروعا حیث لم یرد الشرع بہ لانہ خلاف الشرع ۔ **(البحر الرائق ۲/ ۱۵۹) اور اسی لئے اگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کای وقت کے ساتھ خاص کر دیا جائے یا کسی اور چیز کے ساتھ جو شریعت سے ثابت نہیں ہے تو یہ خلاف شریعت (بدعت) ہو گا۔**

[1] ۔ **مثلاً ، مجلس مولود میں قیام جو کہ شرعاً ممنوع ہے :** عن أبي أمامۃ رضي اللہ عنہ خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکا علی عصا، فقمنا لہ فقال: لا تقوموا کما یقوم الأعاجم، یعظم بعضہم بعضاً۔ **(سنن أبي داوٗد، الأدب / باب الرجل یقوم للرجل یعظمہ بذٰلک ۲/ ۷۱۰)**

عن أنس بن مالک رضي اللہ عنہ قال: لم یکن شخص أحب إلیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وکانوا إذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراہتہ لذٰلک۔ **(سنن الترمذي، أبواب الاستیذان والأدب ،باب ما جاء في کراہیۃ قیام الرجل للرجل ۲/ ۱۰۴)**

عن معاویۃ رضي اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سرہ أن یتمثل لہ الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ **(سنن الترمذي، أبواب الاستیذان والأدب ، باب ما جاء في کراہیۃ قیام الرجل للرجل ۲/ ۱۰۴) ان تینوں روایات میں نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے اور کسی بھی شخص کی تعظیم کے لئے قیام کو منع فرمایا ہے اور اس کو خلاف شریعت طریقہ اور جہنم میں جانے کا سبب بیان فرمایا ہے۔**

جرت عادۃ کثیر من المحبین إذا سمعوا ذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وسلم أن یقوموا تعظیماً لہ صلی اللہ علیہ وسلم وہذا القیام بدعۃ لا أصل لہا۔ **(الجنۃ لأہل السنۃ ۲۰۳، بحوالہ: محاضراتِ علمیہ بر موضوع رضاخانیت ۱۶۱، فتاویٰ عزیزی ۱/ ۹۳) بہت سے لوگوں میں یہ عادت ہو چکی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا نام سنتے ہیں تو تعظیماً قیام کرتے ہیں حالانکہ یہ قیام بدعت ہے، کہیں سے ثابت نہیں ہے۔**

نص قطعی سے حرام ہے [1] یا بے دینوں، بے نمازوں، داڑھی منڈوں سے نعتیں پڑھوانا جن کے دل میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا شوق

اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ خود مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں اور جو کچھ ان مجالس میں ہوتا ہے نبی کریم ﷺ اس کو جانتے ہیں، جو کہ باطل عقیدہ ہے: حضور علیہ الصلوۃ والسلام مجلس میں تشریف لاتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے۔ (أحسن الفتاوی ۱/۳۴۸)

قال علماءنا: من قال: أن أرواح المشايخ حاضرة يكفر۔ (بزازیہ، الفصل الثاني فيما يتعلق بالله تعالیٰ، زکریا جدید ۳/۱۸۲، وعلی ہامش الہندیۃ، زکریا ۶/۳۲۶) ہمارے علماء کرام نے فرمایا ہے: کہ جو شخص یہ کہے (اعتقاداً) کہ مشائخ کی ارواح حاضر رہتی ہیں اس نے کفر کیا۔

ويكفر بقوله: أرواح المشايخ حاضرة تعلم۔ (مجمع الأنہر، کتاب السیر والجہاد، باب المرتد، جدید دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۰۵) اس قول پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر رہتی ہیں اور جانتی ہیں ذكر الحنفية تصريحا بالتكفير باعتقاد أن النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، لمعارضة قوله تعالى: قل لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله۔ (شرح فقہ أکبر، أشرفی ۱۸۵) علماء احناف نے صراحتا اس شخص کی تکفیر کی ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مخالفت کی وجہ سے کہ اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجئے کہ زمین و آسمان کی پوشیدگیاں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور ان مجالس کے قیام کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے جو شریعت کی نظر میں ناجائز ہے: الدر المختار میں ہے: وكل مباح يؤدى اليه (اى الى اعتقاد السنية اوالوجوب) فمكروه۔ ہر مباح عمل جس کو سنت یا وجوب اعتقاد کیا جائے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: (قوله فمكروه) الظاهرانها تحريمية لانه يدخل فى الدين ماليس منه۔ (رد المحتار ۲/۱۲۰) مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے اس لئے یہ ایسی چیز ہے جس کا دین میں ثبوت نہیں ہے۔

[1] - السراج الكثير الزائد عن الحاجة ليلة البرأة هو بدعة كذافي خزانة الروايات عن القنية الخ۔ (نفع المفتی والسائل: ۱۳۸) ضرورت سے زائد چراغ جلانا شب برات میں یہ بدعت ہے۔

نہیں [1]۔ ایسے بے دین اور مجلس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سنگھار بناو! افسوس صد افسوس اے مسلمانو! تم نے اللہ کے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے۔ اور حنفی فقہ کی بھی کچھ پروا نہیں کی۔[1]

من البدع المنكرة مايفعل فی كثير من البلدان من ايقادالقناديل الكثيرة العظيمة والسرف فی ليال معروفة من السنة كليلة النصف من شعبان فيحصل بذلک مفاسد كثيرة منها مضاہاة المجوس فی الاعتناء بالنار فی الاكثار منها ومنها اضاعة المال فی غيروجهه ومنهامايترتب علیٰ ذٰلک من المفاسد من اجتماع الصبيان واہل البطالہ ولعبهم ورفع اصواتهم وامتانهم المساجد وانتهاک حرمتها وحصول اوساخ فيهاوغيرذٰلک من المفاسد التی يجب صيانة المسجد عنها وفی شرح المهذب للامام النوویؒ وصرح ائمتنا الاعلام رضی اللہ عنهم بانهم لايجوزان يزاد علیٰ سراج المسجد سواء كان فی شهررمضان اوغيره لان فيه اسرافاً كما فی الذخيرة وغیرہا۔(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ص ۲/ ۳۲۶۔ فوائد ومسائل شتی، کتاب الحظر والاباح، مطلب من البدع المنکرۃ القاد، القنادیل الکثیرۃ ص ۲/ ۳۵۹ مطبوعہ مصر،)

غمز عیون البصائر" شرح الاشباہ والنظائر، اس کتاب کے مصنف سید احمد الحنفی الحمویؒ ہیں، آپ بڑے فقیہ اور اصولی تھے، علامہ شامیؒ اور علامہ طحطاویؒ نے جگہ جگہ اس کتاب کے حوالہ دیئے ہیں، اس کتاب کے ، ص ۳۸۳ میں بھی عبارت مذکورہ موجود ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے۔

ومن المفاسد مايجعل فی الجوامع من ايقاد القناديل وتركها الیٰ ان تطلع الشمس وترتفع وہومن فعل اليهود فی كنائسهم واكثر ما يفعل ذٰلک فی العيد وہو حرام۔

مطلب:- اور جو خرابیاں مسلمانوں میں پھیلتی جارہی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے، اور تمام رات چراغ روشن رہتے ہیں، حالانکہ یہ یہود کا شعار و طریقہ ہے جو کہ وہ اپنے گرجوں میں کرتے ہیں، اور مسلمان زیادہ تر شب عید (عید میلاد) میں کرتے ہیں حلانکہ یہ حرام ہے۔ (غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ص ۳/ ۱۹۲ مطبوعہ کراچی ص ۵۱۶، مطبوعہ دیوبند)

[1] - وأما غير العالم وہو الواضع لها يعنی البدعة فإنه لايمكن أن يعتقد ہا بدعة بل ہی عنده مما يلحق بالمشروعات كقول من جعل يوم الإثنين يصام لأنه يوم مولده صلی الله عليه وسلم وجعل الثانی عشر من ربيع الأول ملحقا بأيام الأعياد لأنه عليه السلام ولد فيه۔ (الاعتصام ۲/ ۲۱۴ بحوالہ جواہر الفقہ، زکریا جدید ۱/ ۵۳۳) بہرحال علم شریعت نہ رکھنے والوں کا یہ عمل جو عید کی طرح اہتمام سے منایا جاتا کہ اس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے تھے ایک بدعت شنیعہ ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے،

ردالمحتار شامی جو فقہ حنفی میں مسلم ہے اس میں ہے:

أما لو نذر زيتا لإيقاد قنديل فوق ضريح الشيخ أو في المنارة كما يفعل النساء من نذر الزيت لسيدي عبد القادر ويوقد في المنارة جهة المشرق فهو باطل، وأقبح منه النذر بقراءة المولد في المنابر ومع اشتماله على الغناء واللعب وإيهاب ثواب ذلك إلى حضرة المصطفى صلى الله عليه وسلم۔[2]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ... و شرالأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة : الحديث۔(**صحیح مسلم ، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۸۶، بیت الأفکار رقم:۸٦۷) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بدترین کام (دین میں) بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔**

[1] - ومن جملة ماأحدثوه من البدع مع اعتقادہم أن ذلک من أكبر العبادات وأظهر الشرائع مايفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد وقد احتوى على بدع ومحرمات۔ **(مدخل ۱/۱۵۳) اور فی الجملہ ان بدعات میں سے ایک یہ بھی ہے جس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ یہ بڑی عبادات میں سے ہے جو ربیع الاول میں میلاد کے موقع پر کیا جاتا ہے۔**

أثبت فيه طريقة محفل الميلاد الرائج اليوم في البلاد، ولم يكن يليق بالمحدث أن يؤلف في مثل هذه البدعة وإنما أحدثها صوفى في عهد الملک "إربل" سنة ستمائة، ولم يكن له أصل فى الدين۔ **(معارف السنن ۴/۷۳۳۔ کفایت المفتی ۳۸۵ فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۱۲۔ ڈابھیل، فتاوی رحیمیہ ۲/۳۸۳،۳۸۰۔ امداد الفتاوی ٦/۳۳۷) ہمارے شہروں میں مروجہ محافل میلاد جو منعقد کئے جاتے ہیں اس جیسی بدعات شاہ اربل کے دور میں ایک صوفی (ظاہراً صوفیاء کا مشابہ تھا) نے ایجاد کیں جس کی شریعت میں کوئی اصل (بنیاد) نہیں ہے۔**

لا أعلم لهذا المولد أصلا فى كتاب ولاسنة ولا ينقل عمله أحد من العلماء الأئمة الذين هم القدوة فى الدين المتمسكون بأثار المتقدمين بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الأكلون۔ **(الجنة لأهل السنة ۲۰۱) میں نہیں جانتا کہ میلاد (مروجہ) کی اصل کتاب و سنت یا اکابر سلف صالحین، ائمہ دین سے منقول ہو جو متقدمین (صحابہ و تابعین) کے طریقہ پر کاربند تھے بلکہ یہ بدعات ہیں جو لوگوں نے پیٹ پوجا کی خاطر ایجاد کیں۔**

[2] ۔ردالمحتار، شامی، جلد دوم ص، ۱۳۲، مطبوعہ میمنیہ مصر۔

ترجمہ: اگر شیخ کے مزار پر فانوس میں تیل جلانے یا مینار میں جلانے کی نذر کی جس طرح ہمارے ہاں شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے لئے تیل جلانے کی عورتیں نذر کیا کرتی ہیں۔ اور وہ چراغ مشرق کی جانب مینار پر جلایا جاتا ہے پس یہ باطل ہے اور اس سے بھی زیادہ بری یہ بات ہے کہ گانے اور کھیل کے ساتھ ممبروں پر مولود پڑھنے کی نذر کی جائے اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جائے۔

سبق:

خدا کے بندو! دیکھ لو ہمارے بزرگ کا ارشاد ہے کہ گانے اور کھیل کے ساتھ مولود شریف پڑھنا ناجائز ہے۔ حالانکہ تمھاری موجودہ مجالس میلاد گانے والوں کے سوا سجتی ہی نہیں۔ خواہ وہ نعت خواں داڑھی منڈے اور بے دین ہی کیوں نہ ہوں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں یہی دین سکھایا تھا؟

افسوس صد افسوس! [1]

باقی رہا قیام تو یہ ۶۰۴ھ کی ایجاد ہے۔ عمر بن محمد موصلی جو عراق عرب کا رہنے والا تھا اس نے یہ رسم ایجاد کی تھی۔ تاریخ ابن خلکان میں اس کا قصہ مذکور ہے۔[1]

---

[١] - من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة، أو منكر۔ (**مرقاۃ المفاتیح، الصلاۃ / باب الدعاء عند التشهد ٣/٢٦ تحت رقم: ٩٤٦، بیروت، امداد الفتاوی ٥ / ٢٢٤**) جس شخص نے کسی مستحب عمل پر اصرار کیا اور اسے لازم قرار دیا اور اس کی رخصت پر عمل نہ کیا تو اس نے گمراہی سے شیطان کی اتباع کی۔

[1] - **ابتداء مجالس میلاد:** اس کی تحقیق کے لئے تاریخ کی ورق گردانی کرتے چلے جایئے تو خیر القرون کے بعد بھی چھ صدی ہجری تک اس کا وجود نظر نہیں آئے گا۔

شہر موصل کے شاہ مظفر الدین کوکری نے ۶۰۴ ہجری میں ابو الخطاب عمر بن دحیہ کو جسے اس وقت کا عالم دین سمجھا جاتا تھا محفل میلاد کے جواز و فضائل پر ایک کتاب لکھنے کا حکم دیا تھا۔ تعمیل حکم شاہ میں اس سرکاری عالم نے کتاب لکھ ڈالی اور اس کے صلہ میں ایک ہزار پونڈ حاصل کر لئے۔

(دول الاسلام ص ۱۰۴)

شاہِ مذکور اپنی چلائی ہوئی اس بدعت پر سالانہ تقریباً تین لاکھ سکّہ وقت خرچ کرتا رہا۔کان ینفق کلّ سنۃ علی مولد النبی صلی اﷲ علیہ وسلم نحو ثلاث مائۃ الفِ **(دول الاسلام ۲/۱۰۳) شاہ مظفر الدین تو ۶۳۰ سنہ** ہجری میں دنیا سے چلا گیا اور اس کی اس بدعت کو رواج دینے اور کتاب لکھنے والا ابو الخطاب عمر بن دحیہ بھی ۶۲۳ ہجری میں چل بسا لیکن دونوں ہی کے لئے تاریخ نے اپنے سینوں میں یہ یادیں اور یہ حقیقتیں بھی محفوظ رکھیں کہ مظفر الدین کوکری ایک فضول خرچ شاہ تھا جس نے ماہ ربیع الاول میں مولد نبی کی مجالس کا انعقاد کیا تھا، یہی وہ پہلا شاہ تھا جس نے سب سے پہلے اس بدعت کو چلایا۔ اور ابو الخطاب عمر بن دحیہ سلف صالحین اور ائمہ دین کی شان میں گستاخ اور بدزبان، احمق و متکبر شخص تھا لوگوں کی متفقہ رائے رہی کہ وہ جھوٹا تھا " ۔کان ملکاً مسرفاً یأمر علماء زمانہ أن یعملوا باستنباطہم واجتہادہم وأن لا یتبعوا لمذہب غیرہم حتی مالت الیہ جماعۃ من العلماء وطائفۃ من الفضلاء ویحتفل لمولد النبی صلی اﷲ علیہ وسلم فی الربیع الأول وہو أول من أحدث من الملوک ہذا العمل ۔ (القول المعتمد فی عمل المولد) کان (عمر بن دحیہ) کثیر الوقیعۃ فی الائمۃ وفی السلف من العلماء خبیث اللسان أحمق شدید الکبر قلیل النظر فی أمور الدین متہاوناً (**لسان المیزان ص ۴/۲۰۴**)رأیت الناس مجتمعین علی کذبہ وضعفہ

(لسان المیزان ص ۴/۲۹۵)

میلاد کی ایسی ایجاد کے بعد مختلف زبانوں میں اور اپنے اپنے وقت میں علماء نے اس عمل سے ناخوشی کا اظہار کیا ہے اور اس کی تردید میں مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ ہجری) نے فرمایا کہ اس کے جواز پر کوئی نص نہیں۔ علامہ عبد الرحمن مغربی نے اس کو بدعت کہتے ہوئے بتایا کہ اسے نہ تو رسول خدا نے کیا اور نہ ہی خلفاء راشدین اور ائمہ مذہب نے کیا ہے۔ مالکی مذہب کے ایک بڑے اور مشہور عالم ابن الحاج (صاحب مدخل) نے اسے بدعات میں شمار کیا ہے۔ حنبلی مذہب کے مشہور عالم ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی کی پہلی جلد کے صفحہ ۳۱۲ میں اس کی تردید کی ہے۔ نصیر الدین

میت کو ثواب پہنچانا:

مردوں کو ہر طرح سے ثواب پہنچانے کے ہم مخالف نہیں ہیں [1]۔ اگر مال حلال کا ہو دینے والے کی نیت محض خدا کے واسطے کی ہو لوگوں سے واہ واہ اور شاباش لینا

شافعی نے بھی تردید کی ہے۔ (ارشاد الاخیار ص ۲۰) حنفی مذہب کے عالم شہیر حضرت مجدد الف ثانی نے بھی تردید فرمائی ہے۔ (مکتوبات حضرت مجدد جلد پنجم ص ۲۲) ان میں کے بعض علماء کی اصل رائے بھی خود ان کی عبارت کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔ **عبدالرحمن مغربی کا قول:** انّ عمل المولد بدعۃ لم یقل بہ ولم یفعلہ رسول االلہ صلی االلہ علیہ وسلم والخلفاء والائمۃ (**الشریعۃ الالہیۃ**) **احمد بن مغربی مالکی کی رائے:** قد اتفق علماء المذاہب الأربعۃ بذمّ ہذا العمل (**القول المعتمد**) اِبن أمیر الحاج مالکی کینگارش" ومن جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادہم انّ ذلک من أکبر العبادات وإظہار الشعائر ما یفعلونہ فی الشہر الربیع الأول من المولد فقد احتوی ذلک علی بدع ومحرمات ـ ـ ـ ـ ـ ـ وہذہ المفاسد مترتبۃ علی فعل المولد اِذا عمل بالسماع فإن خلا منہ وعمل طعاما فقط ونوی بہ المولد ودعا اِلیہ الاخوان وسلم من کلّ ما تقدم ذکرہ فہو بدعۃ بنفس نیتہ فقط لأن ذلک زیادۃ فی الدین ولیس من عمل السلف الماضین واتباع السلف اولی۔ (**المدخل لابن امیر الحاج ص ۸۵ جلد اول طبع مصر**)

[1] - عن بریدۃ بن حصیب رضي اللہ تعالیٰ عنہ أن امرأۃ أتت النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقالت:... فإنہا ماتت وعلیہا صوم فیجزئ أن أصوم عنہا، قال: نعم، قالت: ولم تحج فیجزئ أن أحج عنہا، قال: نعم۔ (**السنن الکبریٰ للبیہقي، کتاب الحج / باب الحج عن الغیر ۴/ ۵۴۸، رقم: ۸۶۷۰ بیروت**) حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا: کہ وہ (اس کی ماں) فوت ہو گئیں ہیں اور ان کے ذمہ روزے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے روزوں کا فدیہ دے دوں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا اس کے ذمہ حج تھا تو کیا میں میں اس کی طرف سے حج کر لوں تو اس کے لئے کافی ہو گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں۔

عن معقل بن یسار قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اقرؤوا سورۃ یٰسٓ علی موتاکم۔ (**ابو داؤد شریف، کتاب الجنائز، باب القراءۃ عند المیت، النسخۃ الہندیۃ ۲ /۲۴۳، دار السلام رقم: ۳۱۲۱، مشکوۃ شریف ۱۴۱**)

عن معقل بن یسار أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اقرء وا یٰس علی موتاکم۔ (السنن الکبریٰ للنسائی ۹/ ۳۹۴، رقم:۱۰۷۴، المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۲۰/ ۲۱۹، رقم: ۵۱۰، المستدرک للحاکم، کتاب فضائل القرآن، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۲/ ۷۸۷، رقم: ۲۰۷۴، صحیح ابن حبان، فصل فی المختصر، دارالفکر ۳/ ۴، رقم:۲۹۹۸) حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مردوں پر سورۃ یٰسین پڑھا کرو۔

إن الانسان لہ أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ، أو صومًا، أو صدقۃ، أو قراء ۃ قرآن، أو ذکرا، أو طوافا، أوحجا، أو عمرۃ، أو غیر ذلک، عند أصحابنا، للکتاب والسنۃ، أما الکتاب فلقولہ تعالی وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا۔ وأما السنۃ فأحادیث کثیرۃ منہا مارواہ ابو داؤد اقرؤوا علی موتاکم بسورۃ یٰس۔ (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، شامي، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في زیارۃ القبور، کراچي ۲/ ۲۴۳، زکریا۳/ ۱۵۱) انسان اپنے عمل کا ثواب کسی اور کو دے سکتا ہے (چاہے وہ) نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرآن کی تلاوت یا ذکر یا طواف یا حج یا عمرہ وغیرہ ہمارے علماء (احناف) کے نزدیک قرآن و سنت سے ثبوت کے ساتھ بہرحال کتاب اللہ میں ہے وقل رب ارحمہما کما ربیاني صغیرا۔ اور حدیث شریف میں کئی جگہ روایات ہیں جیسے ابوداؤد شریف میں ہےاقرؤوا علی موتاکم بسورۃ یٰس۔

قل خوانی کا حکم: ہمارے دیار میں فوتگی کے دوسرے یا تیسرے دن میت کی قل خوانی کیلئے اجتماع ہوتا ہے جس میں قرآن خوانی اور بعض دوسری رسمیں ادا کی جاتی ہیں یہ شریعت کی رو سے ناجائز اور بدعت ہیں جسمیں التزام مالا یلزم کے علاوہ اور بھی کئی شرعی محظورات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔اس لئے اس سے پرہیز کر کے میت کو اپنی طرف سے انفرادی طور پر تلاوت، ذکر، تسبیح اور نفلی صدقہ وغیرہ کا ثواب پہنچا دیا جائے ۔قراءۃ الفاتحۃ والاخلاص والکافرون علی الطعام بدعۃ (فتاوی سمرقندی ،بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۹۳،جدید زکریا ،۲/ ۱۱۶)من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاءجاز ویصل ثوابہا الیہم عند اہل السنۃ والجماعۃ---الخ (شامی کتاب الصلوۃ مطلب فی القراءۃ للمیت واہداء ثوابھالہ ،۲/ ۲۴۳)

اور یہی بات کہ میت کو ثواب پہنچانے کے لئے دن متعین کرنا جہالت اور بدعت ہے مولوی احمد رضاخان صاحب بریلوی نے بھی کہی ہے: شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعیین عرفی ہیں جب چاہیں کریں انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے و بدعت۔

مقصود نہ ہو [1]۔ مصارف کفن دفن ۔اداء قرضہ،اجراء وصیت اور تقسیم میراث کے بعد اپنے جتنے حصے میں سے دے ان شرطوں کو ملحوظ رکھنے کے بعد دینا [2]۔ مساکین کو دے کر اس عمل صالح کا ثواب میت کی روح کو پہنچانے میں کوئی

(فتاویٰ قلمی، مؤلفہ احمد رضاخان صاحب، کتاب الحظر والاباحہ، ۴/۳۱۰)

[1] -ریا اور دکھلاوے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون الذین هم یراؤن ویمنعون الماعون ۔پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں،جو دکھلاوہ کرتے ہیں اور مانگی نہ دیویں برتنے کی چیز،(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " قال الله تبارك وتعالى: أنا أغنى الشركاء عن الشرك، من عمل عملا أشرك فيه معي غيري، تركته وشركه (صحیح مسلم، ۴/۲۲۸۹) وفی روایۃ اخریٰ فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ، وَهُوَ لِلَّذِي أَشْرَكَ۔(الجامع الصحیح للسنن والمسانید، ۴/۴۸۳) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں شرکاء کی شرکت سے مستغنی ہوں جس شخص نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا میں اس عمل کو اپنے (ساتھ) شریک کئے جانے والے کے لئے چھوڑ دیتا ہوں، اور ایک اور روایت میں ہے کہ میں اس (عمل) سے بری ہوں اور وہ اس کے لئے ہے جسے (میرے ساتھ) شریک کیا گیا۔اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے :عن شداد بن عوس قال سمعت رسول الله ﷺ من صلی یرائی فقد اشرک ومن صام یرائی فقد اشرک ومن تصدق یرائی فقد اشرک ۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۴، مطبوعہ یاسر ندیم دیوبند، باب الریاوالسمعہ) حضرت شداد بن عوس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس شخص نے ریاسے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے ریاسے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریاسے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔

[2] - ثم یقسم الباقی بعد ذٰلک بین ورثتہ الذی ثبت إرثہم بالکتاب أو السنۃ۔ (در مختار مع الشامی، کتاب الفرائض، زکریا ۱۰/۴۹۷، کراچی ۶/۷۶۲۔ سراجی ۴، الفتاویٰ التاتارخانیۃ زکریا ۲۰/۱۸ رقم: ۳۳۰۸۶۔ مجمع الأنہر مصری قدیم ۲/۷۴۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/۴۹۵۔ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳/۲۱) پھر اس کے بعد ورثاء میں میراث تقسیم ہوگی جن کے حصے قرآن سے ثابت ہیں۔

حرج نہیں بلکہ موجب ثواب ہے اور جائز ہے[1]۔ لیکن جس طرح آپ آج کل عموما میت کو ثواب پہنچاتے ہیں کہ نہ قرضہ ادا کیا جاتا ہے نہ وارثوں مثلا بہنوں وغیرہ کو حصہ دیا جاتا ہے۔ خیراتیں پہلے شروع کر دی جاتی ہیں۔ وارثوں میں اگر کوئی یتیم بچہ ہو تب بھی نہ خیرات دینے والے اس کی پرواہ رکھتے ہیں نہ لینے والے پرواہ کرتے ہیں۔ کہ یہ یتیم کا مال ہے اور حرام ہے۔ بلکہ آنکھیں بند کر کے لے جاتے ہیں۔ اس طریقے سے خیرات ہی ناجائز ہے چہ جائیکہ میت کو اس سے کچھ فائدہ ہو۔[2]

---

[1] - ویقرأ من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحۃ، واول البقرۃ الی المفلحون، وآیۃ الکرسی ... ثم یقول : اللھم اوصل ثواب ما قرأناہ الی فلان او الیھم (رد المحتار، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی زیارۃ القبور ۲/۲۴۳ط سعید) جو کچھ قرآن مجید اور فاتحہ میں سے آسانی سے پڑھا جائے (مثلا) سورۃ البقرہ ھم المفلحون تک اور آیت الکرسی وغیرہ اس کا ثواب ان کو پہنچا دیا جائے۔

[2] - ما فی " القرآن الکریم " : {الذین یأکلون أموال الیتامی ظلمًا إنما یأکلون فی بطونھم نارًا}(سورۃ النساء : آیت، ۱۰) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ ظلما یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ جہنم کی آگ سے بھر رہے ہیں۔

ما فی " أحکام القرآن للجصاص " : لا خلاف بین المسلمین أن أکل مال الیتیم ظلمًا محظور وأن الوعید المذکور فی الآیۃ قائم فیہ ۔ (۲/۹۴) احکام القرآن للجصاص میں ہے کہ اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں کہ ظلما یتیم کا مال کھانا اس وعید میں داخل ہے۔

ما فی " حلبی کبیر " : ویکرہ إتخاذ الضیافۃ من أہل المیت لأنہ شرع فی السرور لا فی الحزن ، قالوا : وہی بدعۃ مستقبحۃ لما روی الإمام أحمد وابن ماجۃ بإسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال : کنا نعد الإجتماع إلی أہل المیت وصنعہم الطعام من النیاحۃ ۔ (ص/۶۰۹، فصل فی الجنائز، الثامن فی مسائل من الجنائز، الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ: ۱/۸۷، الباب الخامس والعشرون فی الجنائز، الشامیۃ: ۳/۱۳۸ باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من أہل البیت۔ فتاوی محمودیہ: ۳/۸۱) جیسا کہ کبیری میں ہے کہ اہل میت کی طرف سے کھانا بنانا مکروہ ہے کیونکہ یہ خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ غمی کے موقع پر اور

فقہاء نے فرمایا کہ یہ بدعت قبیحہ ہے امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند سے حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ ہم اہل میت کے لئے اکٹھے ہوتے اور ان کی غمی کی وجہ سے انکے لئے کھانا بناتے تھے۔ بعض اوقات میت کے کپڑے اور استعمال کی چیزیں بھی امام مسجد یا مجاور کو دے دی جاتی ہیں حالانکہ وہ چیزیں بھی میراث میں شامل ہوتی ہیں اور ورثاء کی اجازت کے بغیر دینا جائز نہیں ہے: كما أن أعيان المتوفى المتروكة عنه مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشركة الفصل الثالث ۱/۶۱۰ رقم المادة: ۱۰۹۲ المكتبة الحنفية کوئٹہ) جیسا کہ متوفی کی چیزیں وہ بھی ورثاء میں مشترکہ ہوتی ہیں ان کے حصوں کے بقدر۔ لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه۔ (الدر المختار مع الشامي ۹/۲۹۱، زکریا) کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے۔

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں: غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا نابالغ بچہ ہوتا ہے یا بعض ورثہ موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: الذين يأكلون أموال اليتامى ظلمًا إنما يأكلون في بطونهم نارًاوسيصلون سعيرا۔ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں بلا شبہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے، مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے، قال الله تعالى: لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل۔ خصوصا نابالگ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے نہ اس کے باپ نی اس کے وصی کو۔ لان الولایۃ للنظرۃ للضرر، علی الخصوص ان میں اگر کوئی یتیم ہو تو آفت سخت تر ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے بشرطیکہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے۔ (احکام شریعت، ۳/۱۹۳)

بریلوی مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں: نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکے سے کی ہو تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصے سے فاتحہ نہ کی جائے یعنی اولا مال میت تقسیم ہو جائے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصے سے یہ امور خیر کرے، ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہو گا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچے کا مال کھانا ناجائز ہے، یہ ضرور خیال رہے۔ (جاء الحق، ص۲۵۶)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی[1] رحمہ اللہ جو ہمارے ہندستان کے حنفیوں کے مسلم امام ہیں ان کا فتوی مولانا عبد الحی صاحب کے فتاوی جلد سوم ص ٦٨ مطبوعہ مطبع شوکت اسلام پر منقول ہے وہ بعینہ مندرجہ ذیل ہے:

سوال: روز سوم یا پنجم مردم بطلب یا بلا طلب جمع می شوند و چند ختم کلام مجید می خواند بعضے آہستہ و بعضے بآواز بلند و در پیالہ خوشبوی گل می اندازند و دیگر خصوصیات و رسوم بعمل می آرند چہ حکم دارد؟

ترجمہ: تیسرے یا پانچویں دن لوگ بلائے یا بن بلائے جمع ہو جاتے ہیں اور ختم قرآن مجید کرتے ہیں بعض لوگ آہستہ اور بعض بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور پیالے میں پھولوں کی خوشبو ڈال دیتے ہیں۔ اور بھی کئی رسمیں ادا کرتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و او را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست۔ صاحب نصاب

---

[1] ۔ شیخ عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک الدہلوی بخاری، آپؒ کے آباؤ اجداد اصلا بخارا کے رہنے والے تھے، جو بعد میں دہلی میں آکر آباد ہوئے، آپ کی پیدائش ۹۵۸ھ میں ہوئی۔ ہندوستان میں علم حدیث آپؒ ہی لے کر آئے، آپ ایک بلند پایہ عالم، محقق اور صاحب کمال شخصیت تھے، آپ کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی، آپ کا مقبرہ قطب صاحب واقع دہلی میں حوض شمسی کے کنارے پر واقع ہے ۔(حدائق الحنفیہ، ص ۴۳۰، مکتبہ ربیعیہ)

الاحتساب آں را کردہ نوشتہ رسم و راہ تخصیص بگزارند و ہر روزیکہ خواہند ثواب بروح میت برسانند۔

ترجمہ: خاص کر تیسرے یا کسی اور دن کا مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں اس کا ثبوت نہیں ہے نصاب الاحتساب والے نے ان باتوں کو مکروہ لکھا ہے۔ خاص دنوں کا بطور رسم مقرر کرنا چھوڑ دیں اور جس دن چاہیں میت کی روح کو ثواب پہنچا دیں۔

اس کے ص۶۸ پر ہی ایک دوسرا سوال اور جواب بھی ملاحظہ ہو:

سوال: فاتحہ مروجہ حال یعنی طعام را وبرد نہادہ دست برداشتہ چیزے خواندن۔ چہ حکم دارد؟

ترجمہ: اس زمانے کی مروجہ فاتحہ یعنی کھانے کا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایں طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود نہ زمان خلفاء بلکہ وجود در آں قرون ثلاثہ کہ مشہود لھا بالخیر اند منقول نشدہ۔

ترجمہ: یہ خاص طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی نہ تھا۔ بلکہ وہ تین زمانے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اور تابعین رحمھم اللہ کا) جن کی نیکی

کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دی
گئی ہے (کہ وہ اچھے ہیں) ان تینوں مبارک زمانوں میں اس کا
کوئی ثبوت نہیں ہے۔[1]

سابقہ فتوؤں کا حاصل:

ا۔ موجودہ زمانے کی مروجہ رسمیں یعنی تیجا، چالیسواں وغیرہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ثابت نہیں ہیں۔ اور نہ خلفاء راشدین کے زمانے میں پائی گئیں اور ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ) کے زمانہ مبارک میں بھی ان کی کوئی اصلیت نہیں ملتی۔[2]

---

[1] ۔ فتاوی مولانا عبد الحیؒ جلد سوم ص۶۸ مطبوعہ مطبع شوکت اسلام

[2] ۔ **تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں کا حکم:** مردہ کے لئے تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں وغیرہ کے نام سے مذکورہ بالا تاریخ کو مقرر کرنا اور اسی دن کو لازم سمجھ کر کرنا جائز نہیں ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۴/۱۲۴، جدید زکریا مطول ۵/۵۶۸، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۱۲۲، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/۳۹۶، جدید زکریا ۲/۹۰)

ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم ۔۔الخ۔(شامی کتاب الصلوٰۃ ، با ب صلوٰۃ الجنازۃ ، مطلب فی کراہۃ الضیافۃ من أہل المیت ، کراچی ، زکریا ۳/۱۴۸، نعمانیہ ۱/۲۰۳، کبیری قبیل فصل فی أحکام المسجد، اشرفیہ دیوبند ۶۰۹، مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰۃ، قبیل فصل فی زیار القبور، قدی ۱/۳۳۹، مکتبہ دارالکتب دیوبند ۶۱۷) میت کے لئے پہلے دن یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد کھانا پکانا مکروہ ہے۔ اور موسموں میں قبر کی طرف کھانا اٹھا کر لے جانا بھی مکروہ ہے۔

عن طلحۃ قال: قدم جریر علی عمر فقال: ہل یناح قبلکم علی المیت؟ قال: لا قال: فہل تجتمع النساء عندکم علی المیت ویطعم الطعام؟ قال: نعم قال: تلک النیاحۃ۔ (المصنف لابن أبي شیبۃ، کتاب الجنائز، ماقالوا فی الإطعام علیہ والنیاحۃ ، مؤسسہ علوم القرآن بیروت ۷/۲۴۱، رقم: ۱۱۴۶۷، احسن

۲۔ اگرچہ بعض بدعتی نام نہاد حنفی ان کے قائل بھی ہیں۔ لیکن سچے حنفی علماءان کے مخالف ہیں۔ اور چونکہ امام صاحبؒ کے مذہب سئ ان چیزوں کو کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ان مروجہ رسموں کے خلاف کرنے والے کو پکا مقلد اور متبع امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہا جائے گا۔

شامی باب الجنائز اہداء ثواب الطعام الی لمیت:

وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو

الفتاویٰ ۱/۳۴۸) حضرت طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت جریر حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ کیا تم سے پہلے نیاحہ (نوحہ) تھا تو انہوں نے فرمایا نہیں تو فرمایا کیا تمہارے ہاں عورتیں میت پر جمع ہوتی ہیں اور کھانا پکایا جاتا ہے تو فرمایا ہاں تو انہوں نے کہا یہی نوحہ ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے ''مرقاۃ شرح مشکوۃ اور شرح نقایہ'' میں صراحۃً تیجہ وغیرہ بدعات کی نکیر فرمائی ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:قرر أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع۔ (مرقاۃ المفاتیح ۵/ ۴۸۲، ملتان) ہمارے علماء (احناف) نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ (میت کے) پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد کھانا پکانا مکروہ ہے۔

واصطناع أهل البيت له لأجل اجتماع الناس عليه بدعة مكروهة، بل صح عن جرير قال: كنا نعده من النياحة وهو ظاهر في التحريم۔ (مرقاۃ المفاتیح ۴/۹۶، اشرفی) اور اہل میر کا اجتماع کے واسطے (کھانا) بنانا مکروہ بدعت ہے، بلکہ حضرت جریر سے صحیح سند سے مروی ہے کہ ہم اس کو نوحہ شمار کرتے تھے جو کہ ظاہرا حرام ہے۔ويكره اتخاذ الضيافة من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا فی ضده، وهي بدعة مستقبحة۔ (شرح نقایہ ۱۴۰)

[1] ۔ ایک بدعتی عالم مولوی امجد علی صاحب نے ''بہار شریعت'' میں لکھا ہے کہ: میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعت قبیح ہے۔ (بہار شریعت ۴/۱۶۳)

الإخلاص. والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. وفيها من كتاب الاستحسان: وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اهـ وأطال في ذلك في المعراج. وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. اهـ

ترجمہ: فتاوی بزازیہ میں ہے کہ میت کے لئے پہلے دن یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد کھانا پکانا مکروہ ہے۔اور موسموں میں قبر کی طرف کھانا اٹھا کر لے جانا بھی مکروہ ہے،اور میت کے لئے قرآن پڑھنے کے لئے دعوت دینا بھی مکروہ ہے ،قرآن شریف کے ختم پڑھنے یا سورۃ انعام یا سورۃ اخلاص کے پڑھنے کے لئے صالحین اور پڑھنے والوں کو جمع کرنا بھی مکروہ ہے،خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف پڑھنے کے لئے کھانا پکانا مکروہ ہے،اور اسی " بزازیہ " میں ہے کہ "کتاب الاستحسان" میں ہے کہ اگر محض مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لئے پکایا جائے تو اچھا ہے۔اور معراج میں اس کی بہت لمبی بحث ہے۔اور فرمایا ہے کہ یہ سارے کام چونکہ دکھاوے اور سنانے کے لئے کئے جاتے ہیں اس لئے ان سے بچنا چاہیئے۔کیونکہ ان لوگوں کو ان کاموں میں اللہ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی۔[1]

[1] ۔شامی باب الجنائز اہداء ثواب الطعام الی لمیت۔

نمازوں کے بعد باآواز بلند درود شریف پڑھنا۔ درود شریف کے فضائل:

عزیز بھائیو! قرآن شریف میں درود پڑھنے کا حکم ہے، درود شریف کے فضائل کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا، درود شریف کے پڑھنے سے انسان کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں، دس دفعہ اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے[1]، لیکن نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنا رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ) کے زمانے میں ہر گز ہر گز ثابت نہیں[2] اس کی ایجاد ۷۸۱ھ میں ہوئی ہے اور ۷۹۱ھ تک تمام نمازوں کے بعد پڑھا جانے

[1] - عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من ذكرت عنده فليصل علي، ومن صلى علي مرة صلى الله عليه وسلم عشرا۔(مسند ابی داؤد الطیالسی ۳/۵۸۸۔ مطبعة مجلس دائرة المعارف النظامية، سنة ۱۳۲۱ ھ۔)وفی روية: عن بريد بن أبي مريم، قال: سمعت أنس بن مالك يقول، عن النبي صلى الله عليه وسلم: " من صلى علي صلاة صلى الله عليه عشر صلوات، وحطت عنه عشر خطيئات، ورفع له عشر درجات "(شعب الایمان،۳/۱۲۴)

[2] - عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم جهراً وقال لهم: ما أراكم إلا مبتدعين الخ، هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء؟ قيل: نعم! (شامي زکریا۹/ ۵۷۰)حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ وہ ایسی جماعت کی طرف نکلے جو مسجد میں بلند آواز سے تہلیل اور درود شریف پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا میں تو تمہیں بدعتی سمجھتا ہوں، الخ (علامہ شامی فرماتے ہیں) کیا بلند آواز سے ذکر اور دعا منع ہے؟ تو جواب دیا کہ ہاں۔

وقال الشامي: فالإسرار أفضل حيث خيف الريا أو تأذي المصلين أو النيام۔ (درمختار مع الشامي، الحظر والإباحة / فصل في البيع ۹/ ۵۷۰، زکریا، ۶/ ۳۹۸، کراچی، الفتاویٰ الهندية، الكراهة، الباب الرابع في الصلاة ۵/ ۳۱۷،۳۱۶، کوئٹہ)اور علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ جب ریا کا اندیشہ ہو تو آہستہ (ذکرودعاودرود) افضل ہے یاجب مسلمانوں کوتکلیف ہونے کا خدشہ ہو۔

لگا۔اس سن کو حزب الاحناف کے رسالہ تاریخ نجدیہ یعنی حقیقت وہابیہ ص ۱۳ مطبوعہ کریمی پریس میں تسلیم کیا گیا ہے۔رد المحتار شامی ۱/۴۶۳ مطبوعہ میمنیہ مصر کی عبارت ملاحظہ ہو:

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قرئ قرآن ۔

ترجمہ: تمام اگلے پچھلے علماء نے مساجد وغیرہ میں مل کر ذکر وغیرہ کرنے کو مستحب خیال فرمایا ہے،بشرطیکہ ان لوگوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا سونے والے یا نماز پڑھنے والے یا قرآن مجید پڑھنے والے کو تکلیف نہ دے۔[1]

دعوت انصاف:

خدا تعالیٰ کے بندو! انصاف سے کام لو، قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو چل کر منہ دکھانا ہے،وہاں کیا جواب دوگے کیا تمہیں اسلام نے یہ حق دیا ہے یا امام ابو حنیفہؒ نے یہ فرمایا تھا کہ جو شخص نماز کے بعد بلند آواز سے درود شریف نہ پڑھے اسے خارج از اسلام سمجھا جائے؟

نماز کے بعد ذکر جہر کے متعلق حضرت مولانا عبد الحی لکھنویؒ کا فتویٰ:

استفتاء:

(بعینہ استفتاء ملاحظہ فرمائیں)

لا یقرأ جہراً عند المشتغلین بالأعمال۔ (ہندیۃ، کتاب الکراہیۃ،الباب الرابع فی الصلاۃ ۵/۳۱۶۔ شامی ۹/۵۷۰،زکریا) فتاوی ہندیہ میں ہے کہ:اعمال میں مشغول لوگوں کی وجہ سے بلند آواز نہ کی جائے۔

[1] ۔رد المحتار شامی ۱/۴۶۳ مطبوعہ میمنیہ مصر

کیا اس طرح سر دھن دھن کر حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں لوگ اللہ الکبر کہا کرتے تھے؟ فرض نماز کے بعد یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں لوگ کہا کرتے تھے یا ہمارے امام اعظمؒ کے وقت میں یہ دستور ہو یا امام صاحب کے شاگردوں سے صورت کذائی ذکر کی منقول ہے؟

الجواب: الحاصل ذکر جہری بعد نماز کے سوائے ایام تشریق وغیرہ کے اگر احیانا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جہر مفرط (حد سے زیادہ بلند آواز) نہ ہو اور ایسی اگر مقصود جہر سے تعلیم ہو اور بدوں ان اغراض کے اس کا التزام و اہتمام کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خلاف طریقہ نبویہ (رسول اللہ ﷺ) و طریقہ سلف صالحین ہے۔ [1]

گیارھویں: [2]

---

[1] ۔ فتاویٰ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ جلد اول ص ۳۵۱۔

[2] ۔ **گیارہویں شریف:** ہر قمری مہینے کی گیارہویں رات شیخ عبد القادر جیلانی کے نام جو کھانا بنایا جاتا ہے وہ "گیارہویں شریف" کے نام سے مشہور ہے۔(دیوبندی بریلوی اختلافات:۴۶) گویا ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو چھوٹی گیارہویں اور سالانہ، ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو بڑی گیارہویں شریف منائی جاتی ہے۔

گیارہویں کی ابتداء: گیارہویں کی ابتداء کے متعلق مطالعہ بریلویت میں ہے: سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گیارھویں چلی کہاں سے ہے؟ اور ہندوستان میں انگریز کی آمد سے پہلے کیا کبھی گیارہویں کا عمل کسی جگہ ہوا تھا؟ شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ چھٹی صدی میں پیدا ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے اسلام

کی پانچ صدیوں میں ”گیارہویں شریف“ کی رسم یا تقریب کہیں نہ تھی، آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی؟ اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے۔۔۔۔۔ ہم تو اس کی تلاش کرتے کرتے تھک گئے؛ مگر افسوس! کہ ہمارے ان صاحبوں نے بھی جو کہ اسے بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، اس سلسلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کی اور اس باب میں کوئی مستند حوالہ ہمیں نہیں دکھاسکے۔

(مطالعہ بریلویت: ۶/ ۳۱۵،۳۱۴)

صرف شیخ جیلانی کی ہی گیارہویں: بے شک حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ ایک بڑے بزرگ ہیں، جن کی عظمت مسلّم ہے، ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی گمراہی کی علامت ہے؛ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق میں انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ سب سے بڑا ہے، اور انبیاء میں سب سے افضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر خلفاءِ راشدین اور ان کے بعد عشرۂ مبشرہ وباقی ماندہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا درجہ بدرجہ مقام ہے۔ بہ غور سوچئے کہ انبیاء اور صحابہ جیسی مقدس ہستیوں کا 'یومِ وفات' منانے کی شریعت نے کوئی تاکید نہیں کی تو شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ جیسے ایک ولی کا یومِ وفات منانے کا کیا مطلب؟

ویسے بھی دن منانا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں؛ کیوں کہ مراتب و درجات کا لحاظ کرکے سب سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور سال کے کل ایام تین سو چون یا تین سو ساٹھ ہیں، تو سب کے ایام وفات منانے کے لیے مزید دن کہاں سے لائیں گے؟ اور انبیاء کرام عَلَيْهِ السَّلَامُ وصحابۂ کرام کو چھوڑ کر ان سے کم اور نیچے کے درجے والے بزرگوں کے دن منائے جائیں تو یہ انبیا علیہم السلام وصحابۂ کرام کے مراتب میں رخنہ اندازی ہے۔

اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کی تاریخِ وفات میں بڑا اختلاف ہے۔ "تفریح الخاطر فی مناقب شیخ عبد القادر" میں آٹھ اقوال بیان کیے گئے ہیں: ساتویں، آٹھویں، نویں، دسویں، گیارہویں اور سترہویں ربیع الاول اور اس کے بعد لکھا ہے کہ صحیح دسویں ربیع الاول ہے۔ اس اختلاف سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے خلفاء ومریدین ومتبعین نے بھی آپ کی تاریخِ وفات اور دن وماہ کی تعیین کے ساتھ برسی اور یومِ وفات منانے کا اہتمام نہیں کیا ہے، ورنہ تاریخِ وفات میں اتنا شدید اختلاف نہ ہوتا۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ بزبانِ خود فرماتے ہیں: اپنے آقا کی خوشنودی سے محروم ہے وہ شخص جو اس پر تو عمل نہ کرے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور اس میں مشغول رہے، جس کا حکم نہیں دیا گیا، یہی اصل محرومی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جدید ترتیب: ۲/۷۷،۷۶، بتصرف)

یہ سب متاخرین کی خود کاریاں ہیں: شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، میرے استفسار پر میرے استاذ شیخ عبد الوہاب متقی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا:

بعض متاخرین نے بعض مغربی مشائخ کی زبانی بیان کیا کہ جس دن حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ نے وصالِ الٰہی فرمایا، اس دن کو لوگوں نے از خود دیگر دنوں کی بہ نسبت زیادہ خیر وبرکت اور نورانیت کا دن بنالیا ہے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر سر جھکائے رہے، پھر سر اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ زمانۂ ماضی میں یہ سب التزامات کچھ نہ تھے، یہ سب تو صرف متاخرین کی اختیار کی ہوئی باتیں اور خود کاریاں ہیں۔
(ماثبت بالسنۃ، للشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، ص:۶۹)

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کا مزار ہے) اور مصر وشام بلکہ ملیشیا اور انڈونیشیا تک کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب 'گیارہویں شریف' کے نام سے منعقد کی گئی ہو۔ (مطالعۂ بریلویت: ۶/۳۱۳)

اس کا سرا ہندوانہ رسوم سے ملتا ہے: "تحفۃ الہند" میں مولانا عبید اللہ رقمطراز ہیں:

"ہندوؤں کے ہاں میت کو کھانے کا ثواب پہنچانے کا نام 'سرادھ' ہے اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو پہلے اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ 'بید' پڑھواتے ہیں اور مُردوں کے لیے ثواب پہنچانے کے لیے ان کے ہاں خاص دن مقرّر ہیں، خصوصاً جس دن (وہ) فوت ہو، ہر سال اسی دن ختم دلانا یعنی برسی یا موت کے تیرھویں دن، بعض کے نزدیک پندرھویں دن اور بعض کے نزدیک تیسویں یا اکتیسویں دن، ثواب پہنچانے کے لیے مقرر ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی تیجہ، ساتواں، چالیسواں اور برسی مقرر کر لیے اور کھانا تیار کروا کر اس پر ختم پڑھوانا شروع کر دیا؛ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے کوئی رسم بھی ثابت نہیں"۔ (مسلمانوں میں ہندوانہ رسوم ورواج: ۲۳، دار الاندلس)

گیارہویں شریف اور اس کے کھانے کا حکم: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: غریبوں کو کھانا کھلانا، اور قراءتِ قرآن کے ذریعے مُردوں کو ثواب پہنچانے کو کسی نے منع نہیں کیا، اس باب میں جو منع ہے تو (وہ) اس طرح مخصوص ہیئت سے ایصال (ثواب کرنے) کو منع کرتے

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے مساکین کو کھانا کھلایا جائے اور اس کا ثواب
حضرت شیخ المشائخ حضرتنا ومولانا وشیخنا ومرشدنا الشیخ السید محی الدین عبد القادر

ہیں، جس میں تشبہ بکفّار لازم آجاوے، یا تقییدِ مطلق کی آجاوے کہ یہ دونوں (امور: تشبہ بالکفار اور مطلق کو مقید کرنا لازم آئے؛ کیوں کہ) تمام امت کے نزدیک (یہ دونوں باتیں) حرام وبدعت ہیں۔(البراہین القاطعہ علی ظلام انوار ساطعہ، ص:۱۷)

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی فرماتے ہیں: گیارہویں کی نیاز سے اگر مقصود ایصالِ ثواب ہے تو، اس کے لیے گیارہویں تاریخ کی تعیین شرعی نہیں۔ نیز حضرت غوث الاعظم کی(کوئی) تخصیص نہیں۔ تمام اولیاءِ کرام اور صحابۂ عظام اس کے مستحق ہیں۔ سال کے جن دنوں میں میسر ہو اور جو کچھ میسر ہو، اور جو کچھ صدقہ کر دیا جائے، اور اس کا ثواب بزرگانِ دین اور امواتِ مسلمین کو بخش دیا جائے فقراء اس کھانے کو کھا سکتے ہیں، امراء اور صاحبِ نصاب نہیں کھا سکتے؛ کیوں کہ یہ ایصالِ ثواب کے لیے بطورِ صدقہ ہے۔(کفایت المفتی: ۱/۱۶۶)

مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی اسی کے قائل ہیں:

جو عامی شخص اس تعیینِ عادی کو توقیتِ شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان کے علاوہ دنوں میں ایصالِ ثواب ہو گا ہی نہیں، یا جائز نہیں، یا ان ایام میں ثواب دیگر ایام سے زیادہ کامل ووافر ہے، تو بلا شبہ وہ شخص غلط کار اور جاہل ہے اور اس گمان میں خطاکار اور صاحبِ باطل ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جدید:۹/۹۵۱)

گیارھویں شریف میں چراغاں کرنا: گیارہ ربیع الاول کو چراغاں یا روشنی کرنا..... بالکل ناجائز اور بدعت ہے اور دیوالی کی پوری نقل ہے۔ مساجد میں بھی نمازیوں کی ضرورت سے زیادہ رسماً و رواجاً روشنی کرنا اسراف وحرام ہے۔ اگر متولی مسجد کے مال میں سے ایسا کرے گا تو اس کو اس کا تاوان دینا ہو گا"۔
(فتاویٰ رحیمیہ جدید ترتیب: ۲/۷۷)

جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز[1] کے روح پر فتوح کو پہنچایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

بشرطیکہ تاریخ کی تعیین لازم نہ کی جائے چنانچہ خواہ سترہویں یا بیسویں کر دیا جائے [2]۔ نیز حضرت شیخ المشائخ سید عبد القادر جیلانیؒ کو حاجت روا اور کارساز نہ

---

[1] - آپ کا اسم گرامی عبد القادر لقب محی الدین کنیت ابو محمد اور عرفیت غوث اعظم ہے۔ والد کا نام سید ابو صالح موسیٰ جنگی اور والدہ کا نام ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ بنت سید عبد اللہ الصومعی الزاہد تھا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ولادت ایک چھوٹے سے قصبے گیلان میں ہوئی۔ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض ۴۷۰ ہجری اور بعض ۴۷۱ ہجری کہتے ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے جملہ علوم میں مہارت اور شریعت وطریقت میں کمال حاصل کرنے کے بعد اپنے پیر بزرگ حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخرمیؒ سے بیعت کی۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے اور انہی کے مذہب پر فتوے دیا کرتے تھے۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے زندگی کے ابتدائی سترہ سال اپنے وطن میں گذارے۔ نو سال بغداد میں رہ کر علوم ظاہری وباطنی حاصل کئے۔ چالیس سال تک لوگوں میں دین کو عام کرتے رہے۔ رشد وہدایت' اصلاح خلق اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کام کیا۔ نوے سال کی عمر پائی اور ۱۱ ربیع الاول ۵۶۱ ہجری کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ بغداد میں آپ کا روضہ مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

[2] - من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد۔ (مسلم ۲/۷۷ ط قدیمی) جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ مردود ہے۔

ومنها وضع الحدود، والتزام الکیفیات والهیات المعینة، والتزام العبادات المعینة فی اوقات معینة لم یوجد کلها ذلک العیین فی الشریعة۔ (الاعتصام، ابو اسحاق الشاطبی، الباب الاول فی تعریف البدع الخ: ۱/۳۹ط دارالفکر) اور انہی میں سے ہے حدود کی تعیین اور خاص کیفیات وہیئت کا التزام اور مخصوص اوقات میں عبادات کا بجالانا جن کی تعیین شریعت میں نہیں ہے۔

قال فی الهدایة: "ویکره ان یوقت بشئی من القرآن لشئ من الصلوات" وقال فی فتح القدیر: قال الطحاوی والا سبیجابی: هذا اذارآه حتماً یکره غیره ۔ اما لو قرأ للتیسیر علیه او تبرکاً بقراء ته صلی الله علیه وسلم فلا کراهة، لکن بشرط أن یقرأ غیرهما احیانا لئلایظن الجاهل أن غیرهما لایجوز ولاتحریر فی هذه العبارة بعد العلم بان الکلام فی المدوامة، والحق ان المداومة مطلقاً مکروهة سواء رآه حتماً یکره غیره اولا ۔" (شرح فتح

سمجھا جائے بر خلاف اس کے اگر ان کو حاجت روا اور کار ساز سمجھ کر دیا جائے تو شرک ہے [1]۔ ایسی خیرات سے نہ اللہ تعالیٰ راضی ہو سکتا ہے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سے کبھی خوش نہ ہوں گے۔

وظیفہ شیخ عبد القادر جیلانی شیئاللہ و وظیفہ [2]

القدیر علی الھدایۃ: ۱/۳۳۷ط مطبعہ مصطفی البابی الحلبی مصر) صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کی نمازوں میں قرآن کی آیات مخصوص کر لینا مکروہ ہے۔ اور صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ اسبیجابیؒ اور علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں: یہ چیزیں جب کہ متعین ہوں تو مکروہ ہیں، بہر حال جو آسانی سے ہو یا برکت کی وجہ سے تو جائز ہے۔ لیکن اس شرط سے کبھی کبھار پڑھا جائے کہ عامی شخص اس کو لازم نہ سمجھے۔

[1] - آیت قرآنی: قُلْ لَا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلاَّ نَذِیْرٌ وَبَشِیْرٌ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ [سورۃ الأعراف، الآیۃ:۱۸۸] میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار نفع وضرر کی نفی فرمائی گئی ہے، تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں اور نہ ہی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کے مالک ہیں، تو اولیاء کرام کو کیسے روزی رسا، مشکل کشا اور مرادوں کو پورا کرنے والا کہا جا سکتا ہے؛ لہٰذا جو شخص ایسا عقیدہ رکھے اس کے ایمان کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اعتقاد اینکہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر و ناظر و عالم خفی و جلی در ہر وقت و ہر آن است اعتقاد شرک است" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ھامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۳۱ط امجدیہ) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ہر وقت حاضر ناظر اور عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک ہے۔

وفی فتاوی اللجنۃ الدائمۃ (۱/۹۷): نداء الانسان رسول اللہﷺ اوغیرہ کعبدالقادر الجیلانی اواحمد التیجانی عندالقیام أوالقعود والاستعانۃ بھم فی ذلک اونحوہ لجلب نفع اودفع ضر نوع من انواع الشرک الاکبر۔ رسول اللہ ﷺ یا کسی اور کو جیسے شیخ عبد القادر جیلانیؒ یا احمد التیجانیؒ کو بطور استمداد اٹھتے بیٹھتے پکارنا شرک اکبر کی اقسام میں سے ہے۔

[2] - یہ مشرکانہ، حرام اور ناجائز حرکت ہے، اس سے باز رہنا لازم ہے؛ کیوں کہ غیر اللہ سے مرادیں مانگنا حرام ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۲۰۹، جدید ڈابھیل ۱/۳۵۹)

امداد کن، امداد کن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔از بند غم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یا شیخ عبد القادرا[1]

خدا تعالیٰ کے بندو! تمھیں ایسے وظائف پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جن کا ذکر نہ قرآن شریف میں ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں ہے اور نہ ائمہ اربعہ سے منقول ہیں اور نہ حضرت شیخ المشائخ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی منقول ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَہُمْ عَنْ دُعَآئِہِمْ غَافِلُوْنَ (الأحقاف، الآیۃ:۵) اور اس سے زیادہ گمراہ کون جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

عن ابن عباس قال: کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -إلی- إذا سألت فاسأل اللہ، وإذا استعنت فاستعن باللہ۔ (ترمذي شریف، أبواب صفة القیامة، باب بلا ترجمة، النسخة الہندیة ۲/۷۸ دار السلام، رقم: ۲۵۱۶، مسند أبو یعلی الموصلي، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۱۰۱، رقم:۹۶)

أن الناس قد أكثروا من دعاء غیر اللہ تعالیٰ من الأولیاء الأحیاء منہم والأموات وغیرہم، مثل یا سیدي فلان أغثني، ولیس ذلک من التوسل المباح في شيء ... وقد عدہ أناس من العلماء شركًا۔ (روح المعاني، سورة المائدة تحت الآیة:۳۵، زکریا جلد:۴، جزء:۵/۱۸۸) لوگوں میں سے اکثر اولیاء اللہ سے دعا مانگتے ہیں وہ وفات پاگئے ہوں یا زندہ ہوں مثلاً: یا سیدی اغثنی، اور اس طرح کا وسیلہ جائز نہیں ہے، اور بہت سے علماء نے اس کو شرک شمار کیا ہے۔

[1] - یہ الفاظ اگر حاضر وناظر کے عقیدہ یا تسلط غیبی کے عقیدہ سے کہتے ہوں۔ تو مشرک ہیں اور کافر ہیں۔ لما فی البزازیہ من قال ارو اح المشائخ حاضرۃ یکفر انتہی (فتاوی بزازیہ علی ہامش الھندیہ ص۶/۳۲۶ کتاب الفاظ تکون اسلاما اوکفر اوخطاء) وایضا قال ابن نجیم من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔(بحر الرائق ۵/۱۲۴ باب احکام المرتدین) ۔ و صرح ابن القیم فی مدارج السالکین ان العبادۃ ھی عبارۃ عن التسلط الغیبی علماً و قدرۃ وصرحاالفقہاء والمتکلمو ن با ختصاص علم الغیب باللہ تعالیٰ۔

(فلیراجع الی الخانیہ باب النکاح والمسامرہ۔ فتاوی فریدیہ ج ا ص ۱۷۷)

اذااستعنت فاستعن باللہ (فتوح الغیب مقالہ ص ۴۲)

ترجمہ: جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مدد مانگ۔

اور بالخصوص جن کے جواز اور عدم جواز میں علماء احناف اختلاف رکھتے ہوں چنانچہ ردالمختار میں مذکور ہے **قیل بکفرہ** اور اس شارح ردالمختار شامی مطبوعہ میمنیہ مصر جلد ثالث ص ۳۱۷ میں فرماتے ہیں کہ اگر سوچ سمجھ کر پڑھا جائے تو حرج نہیں۔ اور اگر ایسے بے سوچے سمجھے پڑھے تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ اور تجدید نکاح (اپنا نکاح دوبارہ پڑھانا) کرائی جائے۔ تو تمہیں ایسے وظائف پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جن کی کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں کوئی اصلیت ہی نہ ہو اور مختلف حیثیتیں لگا کر پڑھے جائیں تو جائز ہوں اور اگر حیثیتیں نہ لگائی جائیں تو انسان کے کافر ہونے کا خطرہ ہو۔ اور اگر بالفرض آپ کو کسی نے یہ وظیفہ بتایا ہے اور آپ پڑھتے ہیں تو آپ کو یا آپ کے علماء کو یہ کس نے حق دیا ہے کہ جو نہ پڑھے اس کو وہابی اور خارج از اسلام سمجھو۔[1]

---

[1] ۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:
سوال: یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأللہ کا بطور ورد یا برائے قضائے حاجات یا اس میں اثر جان کر یا شیخ کو متصرف عالم تصور کر کے ان سے اپنی حاجت طلب کرے تو یہ دونوں صورتیں کفر و شرک کی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ منادی مستقل الاستعانت و مدد شیخ مذکور ٹھہریں گے اور حق سبحانہ تعالیٰ واسطہ پڑے گا اور اس کو اکثر علماء کفر و شرک فرماتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم مجموعہ فتاویٰ میں فرماتے ہیں ازیں چنیں وظیفہ احتراز لازم و واجب اولاً ازیں جہت ایں وظیفہ متضمن شیئاللہ ہست و بعض فقہاء از ہیچو لفظ کفر کردہ چنانکہ در در مختار می نویسد کذا قولہ شیئاللہ قیل یکفر۔ (ایسے وظیفہ سے پرہیز لازم و واجب ہے اولا اس لئے کہ یہ وظیفہ شیئاللہ کو شامل ہے اور بعض فقہاء ایسے کلمے کو کفر کہتے

میرے حنفی بھائیو! خدا تعالیٰ سے ڈرو اور سوچو کہ کیا کر رہے ہو، کس دین کی اشاعت کر رہے ہو اور کن چیزوں پر زور دے رہے ہو۔

ہیں جیسا کہ در مختار میں لکھا ہے کہ اسی طرح شیئاً للہ کا کہنا کہ کہا جاتا ہے کہ اس سے کافر ہو جائے) عبارت مذکورہ میں لفظ عام ہے عقیدہ حضور کی قید نہیں۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں میں کفر و شرک ہے یا ایک صورت میں اور دوسری صورت میں کس قسم کا گناہ ہے اور لفظ یا حاضر کے واسطے بولا جاتا ہے یا حاضر و غائب دونوں کے واسطے۔

جواب: اس کا ورد کرنا بندہ جائز نہیں جانتا اگرچہ شرک نہیں لیکن مشابہ شرک ہے اور بعض فعل مشابہ بشرک ہوتے ہیں اور صغیرہ ہوتے ہیں کہ شرک کلی مشکک ہے کہ اس کے افراد قلت و کثرت معصیت میں متفاوت ہیں۔ مثلاً قسم بغیر اللہ تعالیٰ کو حدیث میں شرک فرمایا ہے معہذا وہ گناہ صغیرہ ہے پس ورد اس کا مشابہ بشرک ہے کہ غیر اللہ تعالیٰ سے طلب حاجات ہے مگر جو محض ان کلمات میں اثر جان کر پڑھتا ہے وہ کافر اور مشرک نہ ہو گا اگرچہ معصیت سے خالی بھی نہ ہو گا۔ اور جو شیخ قدس سرہ کو متصرف بالذات اور عالم غیب بذات خود جان کر پڑھے گا وہ مشرک ہے اور اس عقیدہ سے پڑھنا کہ شیخ کو حق تعالیٰ اطلاع کر دیتا ہے اور باذنہ تعالیٰ تعالیٰ شیخ حاجت براری کر دیتے ہیں یہ بھی مشرک نہ ہو گا۔ باقی مومن کی نسبت بد ظن ہونا بھی معصیت ہے اور جلدی سے کسی کا کفر شرک بتا دینا بھی غیر مناسب ہے اور ایسے موہم الفاظ کا پڑھنا بھی بے جا و معصیت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رشیدیہ ص۱۰۶۔۱۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بندہ اور بشر کہنے والے کافر ہیں؟[1]

میرے حنفی بھائیو! اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا(سورہ نساء رکوع ۸) [2]

ترجمہ: پس اگر تم آپس میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاو۔ اگر تمہیں اللہ تعالی اور قیامت کے دن پر ایمان ہے اس طرف لوٹنا بھلائی اور بہت ہی عمدہ بات ہے۔

دعوت رجوع الی اللہ

برادران احناف! آیئے اس مسئلے کا حل اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے کرائیں۔ اس کے بعد اگرچہ کوئی ضرورت تو نہیں ہے لیکن صحابہ کرام، امام ابو حنیفہ اور متبعین امام ابو حنیفہ میں سے ملا علی قاری مسلمانوں میں علم کلام کے مسلم امام ہیں۔ ان کے اور صوفیاء کرام کے اقوال پیش کر دیئے

---

[1] ۔بریلوی مولوی عبد الرشید رضوی لکھتے ہیں: اب جو نبی کو بشر کہے وہ نہ تو خدا ہے اور نہ ہی نبی۔ لہذا وہ کفار میں ہی داخل ہوا۔ (رشد الایمان ص ۴۵)

بریلویمولوی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ (خزائن العرفان ص ۵)

مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی مثل عبد الرشید رضوی لکھا ہے دیکھیئے۔ (نورالعرفان ص ۴۴۸، ۶۳۶)

اور ایک جگہ یوں لکھتے ہیں: انکو بشر ماننا ایمان نہیں۔ (تفسیر نعیمی ج ۱ ص ۱۰۰)

[2] ۔ سورہ نساء رکوع ۸ آیت ۵۹۔

جائیں گے۔ تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ اسلام میں پہلے دن سے یہی عقیدہ چلا آ رہاہے کہ سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے ایسے پیارے بندے ہیں جن کے درجے کو ان الفاظ میں بیان کیا جائے تو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہ ہو گا۔ع

بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر

کیونکہ اہل سنت والجماعت خواص الانس کو خواص الملائکہ سے افضل سمجھتے ہیں [1]۔ مذکورہ الذکر سات مقامات کے متعدد حوالے دیئے جاسکتے ہیں لیکن اختصار کے باعث مشتے نمونہ از خروار کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن پاک میں بشر اور عبد کا اطلاق

ا۔قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا ۔ [2]

ترجمہ: اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دو کہ سوائے اس کے نہیں میں ایک بشر رسول ہوں۔

---

[1] .ورسل البشر افضل من رسل الملائکۃ (شرح العقائد النسفیہ، ص ۴۰۳، طبع مکتبۃ البشریٰ کراچی)

رسول کی تعریف : والرسول انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الأحکام (شرح العقائد النسفیۃ مع حاشیۃ الخیالی، ص ۳۰، ط: مصطفی البابی الحلبی)

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالی اپنے پیغامات اور احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث فرماتے ہیں ۔اور نبی کی تعریف شریعت میں یہ ہے: واما فی الشرع فقال اهل الحق من الاشاعرة هو من قال اللہ تعالیٰ لہ ممن اصطفاه من عبادة اناارسلنک الیٰ قوم کذااوالی الناس جمیعا اوبلغهم عنی ونحوه من الالفاظ الدالۃ علیٰ هٰذا المعنی کبوشتک ونبئهم ، قیل النبوة عبارة عن هٰذا القول مع کونہ متعلقابالمخاطب ۔

(کشاف اصلاحات الفنون، ص ۱۳۵۹)

[2] ۔سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۱۰ آیت ۹۳۔

۲۔قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد [1]۔
ترجمہ: اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہہ دو سوائے اس کے نہیں کہ میں تمھاری طرح بشر ہوں میری طرف اس امر کی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی اللہ تعالی ہے۔

۳۔سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی [2]۔
ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک سیر کرائی۔

۴۔تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا [3]۔
ترجمہ: وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ تاکہ جہان والوں کو ڈرائے۔

حاصل مطلب

دو آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لفظ بشر استعمال کیا گیا ہے اور دو میں لفظ عبد آیا ہے [4]۔

---

[1]۔سورہ کھف پ۱۶ع۱۲آیت ۱۱۰

[2]۔سورۃ بنی اسرائیل پ۱۵ع۱آیت ۱

[3]۔سورۃ فرقان پ۱۸ع۱آیت ۱

[4]۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تفصیل:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور بشر ہونے میں کوئی

منافات نہیں کہ ایک کا اثبات کر کے دوسرے کی نفی کی جائے۔ بلکہ آپ صفت ہدایت اور نورانیت باطن کے اعتبار سے نور مجسم ہیں اور اپنی نوع کے اعتبار سے خالص اور کامل بشر ہیں۔

بشر اور انسان ہونا کوئی عار اور عیب کی چیز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کا انتساب خدانخواستہ معیوب سمجھا جائے، انسانیت وبشریت کو خدا تعالیٰ نے چونکہ "احسن تقویم" فرمایا ہے اس لئے بشریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کمال شرف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسان ہونا انسانیت کے لئے موجب صد عزت وافتخار ہے۔

میرے علم میں نہیں کہ حضرات سلف صالحین میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کر کے آپ کو دائرہ انسانیت سے خارج کیا ہو، بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریت میں بھی منفرد ہیں اور شرف ومنزلت کے اعتبار سے تمام کائنات سے بالاتر اور "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے مصداق ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکمل البشر، افضل البشر اور سید البشر ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کیوں نہ ہو جب کہ خود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة، ولا فخر۔ (ترمذی شریف، أبواب المناقب، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۲، دارالسلام، رقم: ۳۱۴۸، سنن ابن ماجہ، باب ذکر الشفاعة، النسخة الهندية ۱/ ۲۹، دارالسلام، رقم: ۴۳۰۸) میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن اور یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔

قرآن کریم نے اگر ایک جگہ {قد جاء کم من االلهنور وکتاب مبین} فرمایا ہے (اگر نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد لی جائے) تو دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے: قل سبحان ربی هل کنت الا بشر اًرسولاً۔ (الاسراء: ۹۳) آپ فرمادیجئے کہ سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں مگر پیغمبر ہوں اور کیا ہوں"۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحی إلیّ انما الهکم اله واحد (الکهف: ۱۱۰) آپ کہدیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے"۔

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد ،افائن مت فهم الخالدون (الانبیاء: ۳۴) اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی کسی بھی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ دنیا میں ہمیشہ کو رہیں گے ؟۔

قرآن کریم یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہمیشہ نوع بشر ہی سے بھیجے گئے:

وماکان لبشر ان یؤتیہ اﷲالکتاب والحکمۃ والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اﷲ (آل عمران:۷۹)اور کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالی اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمادے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جائو خدا تعالی کو چھوڑ کر"۔

وماکان لبشر ان یکلمہ اﷲ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء (الشوری :۵۱) اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالی اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریق سے) یاتو الہام سے ،یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچادیتا ہے"۔

انبیاء کا اعلان: اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے یہ اعلان بھی کرایا گیاہے۔

قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ۔ (ابراھیم:۱۱)ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہیں۔لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرمادے"۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا کہ بشر کی تحقیر سب سے پہلے ابلیس نے کی اور بشر اول حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا:

قال لم اکن لاسجد لبشر خلقتہ من صلصا ل من حماٍ مسنون (الحجر:۳۳) کہنے لگا میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے پیدا کیا ہے"۔

قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ کفار نے ہمیشہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی اتباع سے یہ کہکر انکار کیا کہ یہ تو بشر ہیں، کیاہم بشر کو رسول مان لیں؟

فقالوا ابشراً منا واحدا نتبعہ انا اذالفی ضلال وسعر (القمر:۲۴)پس کہا: کیاہم اپنے میں‌سے ایک آدمی کے کہنے پر چلیں تب توہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں جاپڑیں گے"۔(ترجمہ حضرت لاہوریؒ)

وما منع الناس ان یؤ منوا اذجاء ھم الھدی الا ان قالوا ابعث اﷲبشر ارسولا قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ (بنی اسرائیل:۹۵،۹۴) اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے بجز اس کے اور کوئی بات مانع نہ ہوئی کہ انہوں نے

کہا کیا اللہ تعالی نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ فرما دیجئے اگر زمین پر فرشتے رہتے ہوتے کہ اس پر چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

ان ارشادات سے واضح ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں، گویا کسی نبی کی نبوت پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان کو بشر اور رسول تسلیم کیا جائے اسی لئے تمام اہل سنت کے ہاں رسول کی تعریف یہ کی گئی ہے:والرسول انسان بعثہ االلہ تعالی الی الخلق لتبلیغ الأحکام (شرح العقائد النسفیۃ مع حاشیۃ الخیالی، ۳۰، ط: مصطفی البابی الحلبی) رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالی اپنے پیغامات اور احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث فرماتے ہیں۔

جس طرح قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت کا اعلان فرمایا ہے اسی طرح احادیث طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بغیر کسی دغدغہ کے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں یہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میرا نور تخلیق کیا گیا (اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے) وہاں یہ بھی فرماتے ہیں:

۱:اللّٰھم إنما أنا بشر فأی المسلمین لعنتہ أو سببتہٗ فاجعلہ لہ زکوۃ وأجراً (الصحیح لمسلم، باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبہ: ۲/۳۲۳ ط: قدیمی۔ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۶) اے اللہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں پس جس مسلمان پر میں نے لعنت کی ہو یا اسے برا بھلا کہا ہو آپ اس کو اس شخص کے لئے پاکیزگی اور اجر کا ذریعہ بنا دے"۔

۲:عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:اللّٰھم إنی أتخذعندک عھدا لن تخلفنیہ فإنما أنا بشر فأی المؤمنین أذیتہ، شتمتہ، لعنتہ،جلدتہ فاجعلھا لہ صلوٰۃ وزکوٰۃ وقربۃتقربہ بھا إلیک (الصحیح لمسلم- باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او سبہ :۲/۳۲۳ ط:قدیمی۔ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۶) اے اللہ! میں آپ کے یہاں سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں آپ اس کے خلاف نہ کیجئے کیونکہ میں بھی ایک انسان ہوں پس جس مومن کو میں نے ایذاء دی ہو، گالی دی ہو، لعنت کی ہو، اس کو مارا ہو، آپ اس کے لئے اس کو رحمت، پاکیزگی بنا دیجئے کہ آپ اس کی وجہ سے اس کو اپنا قرب عطا فرمائیں۔

۳۔اللّٰھم إنما محمد(صلی االلہعلیہ وسلم) بشر یغضب کما یغضب البشر، الحدیث (الصحیح لمسلم، باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبہ: ۲/۳۲۳ ط: قدیمی۔ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۶) اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان ہی ہیں ان کو بھی غصہ آتا ہے جس طرح اور انسانوں کو غصہ آتا ہے۔

۴:انی اشترطت علی ربی ،فقلت إنما أنا بشر أرضی کما یرضی البشر واغضب کما یغضب البشر(الصحیح لمسلم،باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او سبہ ۲/۳۲۳:قدیمی۔الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۶)میں نے اپنے رب سے ایک شرط کرلی ہے میں نے کہا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں میں بھی خوش ہوتا ہوں جس طرح انسان خوش ہوتے ہیں اور غصہ ہوتا ہوں جس طرح دوسرے انسان غصہ ہوتے ہیں.

۵":انما أنا بشر وأنہ یأتینی الخصم فلعل بعضکم أن یکون أبلغ من بعض فأحسب أنہ قدصدق وأقضی لہ بذالک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النارفلیأخذھا او فلیترکھا۔"(صحیح البخاری - ابواب المظالم والقصاص،باب اثم من خاصم فی باطل وھویعلمہ،۱/۳۳۲ط:قدیمی کتب خانہ۔الصحیح لمسلم،باب بیان ان حکم الحاکم لالغیر الباطن ۲/۷۴،واللفظ لمسلم،ط:قدیمی،الطبعۃالثانیہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۶ء)میں بھی ایک آدمی ہوں اور میرے پاس مقدمہ کے فریق آتے ہیں،ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض زیادہ زبان آور ہوں پس میں اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں،پس جس کے لئے میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں وہ محض آگ کا ٹکڑا ہے اب چاہے وہ اسے اٹھالے جائے،اور چاہے چھوڑ جائے

۶:انما أنا بشر مثلکم أنسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی (صحیح البخاری،کتاب الصلوۃ،باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان:۱/۵۷ط:قدیمی۔الطبعۃ الثانیہ ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۱ء۔الصحیح لمسلم،باب سجود السھو فی الصلوۃ ۱/۲۱۳،۲۱۲،الطبعۃ الثانیہ ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۱ء)میں بھی تم جیسا انسان ہی ہوں میں بھی بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو پس جب میں بھول جائوں تو مجھے یاد دلا دیا کرو"۔

۷:انما أنا بشر ،إذا أمرتکم بشیئٍ من دینکم فخذوا بہ وإذا امرتکم بشیئٍ من رأیی فانما أنا بشر(الصحیح لمسلم ،باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا...الخ ۲/۲۶۴،ط:قدیمی، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۹۵۶ء)میں بھی ایک انسان ہی ہوں جب تم کو دین کی کسی بات کا حکم کروں تو اسے لے لو اور جب تم کو(کسی دنیوی معاملے میں)اپنی رائے سے بطور مشورہ کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔

۸:ألاأیھا الناس !فانما أنا بشر یوشک أن یأتی رسول ربی فأجیب ...،الخ (الصحیح لمسلم ،باب من فضائل علی بن ابی طالب ۲/۲۷۹،ط:قدیمی)سنو!اے لوگو!!پس میں بھی ایک انسان ہی ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد(یہاں سے کوچ کا پیغام لے کر)آئے تو میں اس کو لبیک کہوں۔

قرآن کریم اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفت نور کے ساتھ موصوف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی نفی کر دی جائے، نہ ان نصوص قطعیہ کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار ممکن ہے۔ اور بشریت کوئی عار اور عیب کی چیز نہیں جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنا سوء ادب کا موجب ہو، بشر اور انسان تو اشرف المخلوقات ہے اس لئے بشریت آپ کا کمال ہے، نقص نہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشرف المخلوقات میں سب سے اشرف افضل ہونا خود انسانیت کے لئے مایۂ فخر ہے۔ اس لئے آپ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طرۂ افتخار ہے بلکہ آپ کے بشر ہونے سے انسانیت وبشریت رشک ملائکہ ہے۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، دیوبندی بریلوی اختلاف، نور و بشر، ۱/۳۹، ط: مکتبہ لدھیانوی)

اکابر اور سلف صالحین کا عقیدہ:

یہی عقیدہ اکابر اور سلف صالحین کا تھا چنانچہ قاضی عیاضؒ ’’الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ میں لکھتے ہیں۔

قد قدمنا انہ صلی اﷲعلیہ وسلم وسائرالانبیاء والرسل من البشر ،وان جسمہ وظاہر ہ خالص للبشر یجوز علیہ من الأفات والتغیرات والألام والاسقام وتجرع کأس الحمام ما یجوز علی البشر وھذا کلہ لیس بنقیصۃ ،لان الشئی انما یسمی ناقصا بالاضافۃ الی ماھو اتم منہ واکمل من نوعہ وقد کتب اﷲ تعالی علی اھل ھذہ الدار فیھا یحیون وفیھا یموتون ومنھا یخرجون وخلق جمیع البشر بمدرجۃ الغیر۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، للامام القاضی عیاض، القسم الثانی فیما یخصھم فی الامورالدنیویۃ، ۲/۱۵۹، ۱۵۸) ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء ورسل نوع بشر میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک اور ظاہر خالص بشر کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر وہ تمام آفات وتغیرات اور تکالیف وامراض اور موت کے احوال طاری ہو سکتے تھے جو انسان پر طاری ہوتے ہیں اور یہ تمام امور کوئی نقص اور عیب نہیں، کیونکہ کوئی چیز ناقص اس وقت کہلاتی ہے جبکہ اس کی نوع میں سے کوئی دوسری چیز اتم واکمل ہو، دار دنیا کے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات مقدر فرمادی کہ وہ زمین میں جئیں گے یہیں مریں گے اور یہیں سے نکالے جائیں گے اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تغیر کا محل بنایا ہے‘‘۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کی چند مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهكذا سائر أنبيائه مبتلى ومعافى،وذلک من تمام حكمته ليظهر شرفهم فى هذه المقامات ،وبين أمرهم ويتم كلمته فيهم وليحقق بامتحانهم بشريتهم ،ويرتفع الالتباس من اهل الضعف فيهم لئلا يضلوا بما يظهر من العجائب على ايديهم ضلال النصارى بعيسى بن مريم......قال بعض المحققين وهذه الطوارى والتغيرات المذكورة انما تختص باجسامهم البشرية المقصودة منها مقاومة البشر ومعافات بنى ادم ، لمشاكلةالجنس ،وامابواطنهم فمنزّهَة غالبا عن ذلک معصومة منه ،متعلقة بالملأ الاعلى والملئكة لاخذ ها عنهم وتلقيها الوحى عنهم

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم،للإمام القاضی عیاض،القسم الثانی فیما یخصھم فی الامورالدنیویۃ،۲/۱۵۹،۱۵۸)اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃوالسلام کہ وہ تکالیف میں بھی مبتلاء ہوئے اور ان کو عافیت سے بھی نوازا گیااور یہ حق تعالیٰ کی کمال حکمت تھی تاکہ ان مقامات میں ان حضرات کا شرف ظاہر ہو اور ان کا معاملہ واضح ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی بات ان کے حق میں پوری ہو جائے اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی بشریت کو ثابت کر دے،اور امت کے اہل ضعف کو ان کے بارے میں جو التباس ہو سکتا تھاوہ اٹھ جائے تاکہ ان عجائبات کی وجہ سے جو ان حضرات کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں گمراہ نہ ہو جائیں جس طرح نصاری حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں گمراہ ہوئے۔ بعض محققین نے فرمایاہے کہ یہ عوارض اور تغیرات مذکورہ ان بشری اجسام کے ساتھ مخصوص ہیں جن سے مقصود بشر کی مقاومت اور بنی آدم کی مشقتوں کابرداشت کرناہے تاکہ ہم جنسوں کے ساتھ مشاکلت ہو لیکن ان کی ارواح طیبہ ان امور سے متاثر نہیں ہوتیں بلکہ وہ معصوم ومنزہ اور ملأ اعلی اور فرشتوں سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ وہ فرشتوں سے علوم اخذ کرتی ہیں اور ان سے وحی کی تلقی کرتی ہیں۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان میں داخل نہیں۔ ‌احکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''نشر الطیب''میں سب سے پہلے نور محمدی (علی صاحبہ الصلوات والتسلیمات) کی تخلیق کا بیان فرمایاہے اور اس کے ذیل میں احادیث نقل کی ہیں،لیکن حضرتؒ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح بھی فرمادی ہے،چنانچہ پہلی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ''مسند عبد الرزاق''کے حوالے سے یہ نقل کی ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نورالٰہی اس کامادہ تھابلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا،پھر جب اللہ تعالیٰ نے

اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے ایک حصہ سے قلم پیدا کیا، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ آگے حدیث طویل ہے۔

اس کے فائدہ میں لکھتے ہیں: اس حدیث سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے متأخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔

اور اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ظاہراً نور محمدی، روح محمدی سے عبارت ہے اور حقیقت روح کی اکثر محققین کے قول پر مادہ سے مجرد ہے اور مجرد کا مادیات کے لئے مادہ ہونا ممکن نہیں پس ظاہراً اس نور کے فیض سے کوئی مادہ بنایا گیا اور اس مادہ سے چار حصے کئے گئے الخ، اور اس مادہ سے پھر کسی مجرد کا بننا اس طرح ممکن ہے کہ وہ مادہ اس کا جزء نہ ہو، بلکہ کسی طریق سے محض اس کا سبب خارج عن الذات ہو۔

دوسری روایت جس میں فرمایا گیا ہے کہ بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔

اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

اور اس وقت ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن تو بنا ہی نہ تھا تو پھر نبوت کی صفت آپ کی روح کو عطا ہوئی تھی اور نور محمدی اسی روح محمدی کا نام ہے. (نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، ص:۱۱، الفصول ،پہلی فصل، نور محمدی کے بیان میں، ط: انتظامی کانپور ۱۹۱۵ء)

اس سے واضح ہے کہ حضرت تھانویؒ کے نزدیک نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس روح ہے اور اس فصل میں جتنے احکام ثابت کئے گئے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ کے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی پاک روح کے اول الخلق ہونے سے آپ کی بشریت کا انکار لازم نہیں آتا، اور حضرت تھانویؒ کی تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے خدا تعالیٰ کے نور سے پیدا کئے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ نور خداوندی کا کوئی حصہ ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ نور خداوندی کا فیضان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ کی تخلیق کا باعث ہوا۔

بعض معترضین قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ''امداد السلوک'' کا حوالہ دیا ہے کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

امدادالسلوک کا فارسی نسخہ تو میرے سامنے نہیں البتہ اس کا اردو ترجمہ جو حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے ''ارشادالملوک'' کے نام سے کیا ہے اس کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اولاد آدم ہی میں ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو اتنا مطہر بنالیا تھا کہ نور خالص بن گئے اور حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا اور شہرت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور ظاہر ہے کہ نور کے علاوہ ہر جسم کے سایہ ضرور ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو اس قدر تزکیہ اور تصفیہ بخشا کہ وہ بھی نور بن گئے چنانچہ ان کی کرامات وغیرہ کی حکایتوں سے کتابیں پر اور اتنی مشہور ہیں کہ نقل کی حاجت نہیں نیز حق تعالیٰ نے فرمایاہے کہ جو لوگ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہو گا اور دوسری جگہ فرمایاہے کہ یاد کرو اس دن کو جب کہ مومنین کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑتا ہو گا اور منافقین کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جائو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ اخذ کریں ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہوتے ہیں۔

(ارشادالملوک ترجمہ امدادالسلوک، از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ، ص۱۱۵،۱۱۴)

اس اقتباس سے چند امور بالکل واضح ہیں:

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد آدم علیہ السلام میں سے ہونا تسلیم کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کا بشر ہونا قرآن کریم میں منصوص ہے۔

دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس نورانیت کا اثبات کیا گیا ہے یہ وہ ہے جو تزکیہ و تصفیہ سے حاصل ہوتی ہے اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اس قدر اکمل و اعلی تھا کہ آپ ﷺ نور خالص بن گئے تھے۔

سوم: جسم اطہر کا سایہ نہ ہونے کو متواتر نہیں کہا گیا بلکہ ''شہرت سے ثابت ہے'' کہا گیا ہے۔بہت سی روایات ایسی ہیں کہ زبان زدعام وخاص ہوتی ہیں مگر ان کو تواتر یا اصطلاحی شہرت کا مرتبہ تو کیا حاصل ہو تا خبر آحاد کے درجہ میں ان کو حدیث صحیح یا قابل قبول ضعیف کا درجہ بھی حاصل نہیں ہو تا بلکہ وہ خالصۃً بے اصل اور موضوع ہوتی ہیں سایہ نہ ہونے کی روایت بھی حد درجہ کمزور ہے یہ روایت مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی اس درجہ کی کہ اس کے بعض راویوں پر وضع حدیث کی تہمت بھی ہے۔

چہارم: احادیث کی تصحیح وتنقیح حضرات محدثینؒ کا وظیفہ ہے حضرات صوفیائے کرامؒ کا اکثر وبیشتر معمول یہ ہے کہ وہ بعض ایسی روایات جو عام طور سے مشہور ہوں ان کی تنقیح کے درپے نہیں ہوتے ،بلکہ بر تقدیر صحت اس کی توجیہ کر دیتے ہیں یہاں بھی شیخ قطب الدین مکی قدس سرہ نے (جن کے ''رسالہ مکیہ'' کا ترجمہ حضرت گنگوہیؒ نے کیا ہے)اس مشہور روایت کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر نورانیت اور تصفیہ کا اس قدر غلبہ تھا کہ بطور معجزہ آپ کا سایہ نہیں تھا بہر حال اگر سایہ نہ ہونے کی روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ بطور معجزہ ہی ہو سکتا ہے گویا غلبہ نورانیت کی بناء پر آپ کے جسم اطہر پر روح کے احکام جاری ہو گئے تھے اور جس طرح روح کا سایہ نہیں ہوتا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا بھی سایہ نہیں تھا لیکن اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی نفی لازم نہیں آتی ایک تو اس لئے کہ شیخؒ خود آپ کی بشریت کی تصریح فرمارہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس نور کی بشریت سے منافات ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین کی بشریت کا انکار لازم آئے گا تیسرے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو سب سے زیادہ جانتی ہیں وہ فرماتی ہیں:

کان بشرا من البشر (مشکوۃ المصابیح عن سنن الترمذی-باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم،الفصل الثانی،ص۵۲۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔

حضور ﷺ کا سایہ نہ ہونے کی تحقیق:

سایہ نہ ہونے کی روایت کے بارے میں ''فتاوی رشیدیہ'' سے اصل سوال وجواب یہاں نقل کرتا ہوں:

سوال:سایہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑتا تھا یا نہیں اور جو ترمذی نے نوادرالاصول میں عبد الملک بن عبد اللہ بن وحید سے انہوں نے ذکوان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا سند اس کی صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع؟ارقام فرمادیں۔

جواب: یہ روایت کتب صحاح میں نہیں اور نوادر کی روایت کا بندہ کو حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے۔ نوادر الاصول حکیم ترمذی کی ہے نہ ابو عیسی ترمذی کی فقط واللہ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی (فتاوی رشیدیہ، کتاب التفسیر والحدیث ص، ۱۵۲، ط: محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

اس اقتباس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت حدیث کی متداول کتابوں میں نہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے حوالے سے آپ نے تین باتیں نقل کی ہیں:

۱: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، خلقت من نور اللہ، میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔

۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں آپ کا سایہ نہ تھا۔

۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و مصلحت کے پیش نظر بصورت انسان ظاہر فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہونے اور سایہ نہ ہونے کی تحقیق اوپر عرض کر چکا ہوں البتہ یہاں اتنی بات مزید عرض کر دینا مناسب ہے کہ "خلقت من نور اللہ" کے الفاظ سے کوئی حدیث مروی نہیں، مکتوبات شریفہ کے حاشیہ میں اس کی تخریج کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی "مدارج النبوۃ" کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

انا من نور االله والمومنون من نوری"۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور مؤمن میرے نور سے ہیں"۔

مگر ان الفاظ سے بھی کوئی حدیث ذخیرہ احادیث میں نظر سے نہیں گزری، ممکن ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کی حدیث (جو نشر الطیب کے حوالے سے گزر چکی ہے) کی روایت بالمعنی ہو بہر حال اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی شرح ہے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی "نشر الطیب" سے نقل کر چکا ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اجزاء و حصص سے پاک ہے اس لئے کسی عاقل کو یہ تو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، نور خداوندی کا جزء اور حصہ ہے پھر اس روایت میں اہل ایمان کی تخلیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ذکر کی گئی، اگر جزئیت کا مفہوم لیا جائے تو لازم آئیگا کہ تمام اہل ایمان نور خداوندی کا جزء ہوں اس قسم کی روایت کی عارفانہ تشریح کی جاسکتی ہے، جیسا کہ امام ربانیؒ نے کی ہے، مگر ان پر عقائد کی بنیاد رکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصوص قطعیہ کے علی الرغم نوع انسان سے خارج کر دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

اور جو حضرت مجددؒ سے نقل کیا گیا ہے اول تو وہ ان دقیق علوم ومعارف میں سے ہے کہ جو عقول متوسطہ سے بالاتر ہیں اور جن کا تعلق علوم مکاشفہ سے ہے،جو حضرات تصفیہ وتزکیہ اور نور باطن کے عالی ترین مقامات پر فائز ہوں وہی ان کے افہام وتفہیم کی صلاحیت رکھتے ہیں،عام لوگ ان دقیق علوم کو سمجھنے سے قاصر ہیں ان لوگوں کو اگر ظاہر شریعت سے کچھ مس ہو گا تو ان اکابر کی شان میں گستاخی کریں گے (جس کا مشاہدہ اس زمانے میں خوب خوب ہو رہا ہے، اور جن لوگوں کو ان اکابر سے عقیدت ہو گی وہ ظاہر شریعت اور نصوص قطعیہ کو پس پشت ڈال کر الحاد وزندقہ کی وادیوں میں بھٹکا کریں گے،فإن الجاهل اما مفرِط واما مفرّط،اس لئے اکابر کی وصیت یہ ہے کہ:

نکتہ ہاں چوں تیغ پولاد است تیز
چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا
گزبریدن تیغ رانبود حیا
چہ شبہا نسشتم دریں سیر گم
کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم
محیط است علم ملک بر بسیط
قیاس تو بروے نہ گردد محیط
نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد
نہ فکرت بغور صفاتش رسد

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حق تعالیٰ کے علم اضافی سے ہوئی ہے ومشہور می گردد کہ علم جملی کہ از صفات اضافیہ گشتہ است نوریست کہ در نشأۃ عنصری بعد از انصباب از اصلاب بارحام متکثرہ بمقتضائے حِکَم ومصالح بصورت انسانی کہ احسن تقویم ست ظہور نمودہ است ومسمی بہ محمد واحمد شدہ۔(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندی،دفتر سوم ،مکتوب صدم ،۳/۵۷،خاتمہ حسنہ درمیان حسن وجمال،ط:ایچ،ایم سعید کراچی،الطبعۃ الثانیہ،۱۳۹۲ء)اور ایسا نظر آتا ہے کہ علم اجمالی جو کہ صفات اضافیہ میں سے ہو گیا ہے ایک نور ہے جو کہ نشأۃ عنصری میں بہت سی پشتوں اور رحموں میں منتقل ہوا، حکم ومصالح کے تقاضے سے انسانی صورت میں جلوہ گر ہوا اور محمد واحمد کے پاک ناموں سے موسوم ہوا۔

حضرت امام ربانیؒ کے اقتباس سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے۔

ا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حق تعالیٰ کے علم اجمالی سے صفت اضافیہ کے مرتبہ میں ہوئی۔

۲: یہ صفت اضافیہ ایک نور تھا جس کو انسانی قالب عطا کیا گیا۔
۳: چونکہ انسانی صورت سب سے خوبصورت سانچہ ہے اسلئے حکمت خداوندی کا تقاضا ہوا کہ آپ کو انسان اور بشر کی حیثیت سے پیدا کیا جائے، اگر بشری ڈھانچے سے بہتر کوئی اور قالب ہوتا تو آنحضرت ﷺ کو کبھی انسانی شکل میں پیدا نہ کیا جاتا، اس سے واضح ہے کہ حضرت امام ربانیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر نہیں، اور نہ وہ نور، بشریت کے منافی ہے جس کا وہ اثبات فرمارہے ہیں۔
رسالہ "التوسل" اور "تفسیر کبیر" کے حوالے سے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ، قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین، میں نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اس آیت میں نور کی تفسیر میں تین قول ہیں:
ایک یہ کہ: اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔
دوم یہ کہ: اسلام مراد ہے۔
اور سوم یہ کہ: قرآن کریم مراد ہے، اس قول کو امام رازیؒ نے اس بناء پر کمزور کہا ہے کہ معطوفین میں تغایر ضروری ہے، لیکن یہ دلیل بہت کمزور ہے، بعض اوقات ایک چیز کی متعدد صفات کو بطور عطف ذکر کر دیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے "بیان القرآن" میں اسی کو اختیار کیا ہے۔
بہر حال نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا اسلام ہو، یا قرآن کریم، بہر صورت یہاں نور سے نور ہدایت ہے، جس کا واضح قرینہ آیت کا سیاق ہے۔
یھدی بہ االلہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمت إلی النور بإذنہ ویھدیھم إلی صراط مستقیم
(المائدۃ:۱۶)
اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو، جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں (یعنی جنت میں جانے کے طریقے کہ عقائد واعمال خاصہ ہیں، تعلیم فرماتے ہیں، کیونکہ پوری سلامتی بدنی وروحانی جنت ہی میں نصیب ہوگی) اور ان کو اپنی توفیق اور فضل سے کفر ومعصیت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وطاعت کے نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو ہمیشہ راہ راست پر قائم رکھتے ہیں.
(بیان القرآن)

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

وتسمیۃ محمد والاسلام والقرآن بالنور ظاہرۃ لان النور الظاہر ھوالذی یتقوی بہ البصر علی ادراک الاشیاء الظاہرۃ ،والنور الباطن ایضاً ھوالذی تتقوی بہ البصیرۃ علی ادراک الحقائق والمعقولات ۔(**التفسیر الکبیر للامام الرازی۱۱/ ۱۹۰،ط: الطبعۃ الثالثۃ ایران**) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام اور قرآن کو نور فرمانے کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ ظاہری روشنی کے ذریعہ آنکھیں ظاہری اشیاء کو دیکھ پاتی ہیں، اسی طرح نور باطن کے ذریعہ بصیرت حقائق ومعقولات کا ادراک کرتی ہے۔

علامہ نسفی ”تفسیر مدارک“ میں لکھتے ہیں :

أوالنور، محمد صلی اﷲعلیہ وسلم لانہ یھتدی بہ کما یسمی سراجا۔“(**تفسیر المدارک للامام ابی البرکات النسفی المتوفیٰ(۷۱۰ھ)-سورۃ المائدۃ:۱،۱۶/ ۳۳۶ مکتبۃ رحمانیہ لاہور**)

یانور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت ملتی ہے ،جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چراغ کہا گیا ہے۔

قریب قریب یہی مضمون تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر صاوی، روح البیان اور دیگر تفاسیر میں ہے۔اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا: جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفت ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لئے مینارۂ نور ہیں، یہی نور ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ و تابندہ رہے گی، لہٰذا میرے عقیدے میں آپ بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ میری ان تمام معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نور کی صفت ثابت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت اور بشریت کے دائرے سے خارج کر دینا ہر گز صحیح نہیں، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا اعتقاد لازم ہے اسی طرح آپ کی انسانیت وبشریت کا عقیدہ بھی لازم ہے چنانچہ ”فتاوی عالمگیری“ کے حوالے سے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ:

ومن قال لا ادری ان النبی صلی اﷲعلیہ وسلم کان انسیا اوجنیا یکفر کذا فی الفصول العمادیۃ۔(**الفتاوی الھندیۃ ،کتاب السیر ،الباب التاسع فی احکام المرتدین ،مطلب موجبات الکفر انواع ،منھا مایتعلق بالانبیاء۲/ ۲۶۳،ط:ماجدیہ کوئٹہ ،الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۳ء۔وکذا فی البحر الرائق،لابن نجیم**

اپنی عبدیت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار

ا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد گزاری یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدموں پر ورم آگیا۔ تب آپ سے عرض کی گئی آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ بخشے جاچکے ہیں آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالی کا شکر گزار بندہ نہ بنوں ؟ اس روایت کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔[1]

۲۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح موذن کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو ۔ کیونکہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود (شریف) پڑھا اللہ تعالی اس پر دس دفعہ رحمت بھیجے گا پھر میرے لئے اللہ تعالی سے وسیلہ مانگو پس وہ بہشت میں ایک

،باب احکام المرتدین ۵ /۱۲۱، ط: ایچ ایم سعید) اور جو شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن، وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] - عن المغيرة بن شعبة، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى حتى انتفخت قدماه، فقيل له: أتكلف هذا؟ وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، فقال:أفلا أكون عبدا شكورا (صحیح بخاری ،باب طول القیام فی صلوٰۃ اللیل،۱ /۳۳۶، طبع مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض ۔ صحیح مسلم ،باب اکثار الاعمال والاجتهاد فی۔۔الخ،۴ /۲۱۸۱، طبع دار إحياء التراث العربي بيروت۔)

درجہ ہے۔وہ اللہ تعالی کے بندوں میں سے ایک بندے کے
لائق ہے۔اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ ہو جاوں۔پس
جس شخص نے میرے لئے وسیلے کی دعا کی اس پر شفاعت
حلال ہو گی(رواہ مسلم) [1]

حاصل مطلب

دونوں احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بندہ کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد(اللہ کے بندے)ہیں:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے تحقیق رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے تو فرمایا تحقیق ایک بندے کو اللہ
تعالی اسے دنیا کی تازگی میں سے جو چاہے عطاء فرمائے یا جو اللہ
تعالی کے ہاں نعمتیں ہیں وہ پائے۔تو اس بندے نے وہ اختیار کیا
جو اللہ تعالی کے ہاں ہے۔اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی
اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا ہم اپنے باپوں اور ماوں سے آپ پر

---

[1]- عن عبد الله بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة۔(صحیح مسلم ،باب القول مثل قول المؤذن اذا سمعہ۔۔۔الخ ۱/۲۸۸، طبع دار إحياء التراث العربي–بيروت)

قربان ہوں پس ہم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تعجب کیا لوگوں نے کہا اس بڑھے شخص کو دیکھو کہ رسول اللہ تو ایک بندے کی خبر دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالی نے اپنے ہاں کی تازگی اور دنیا کی نعمتوں میں اختیار دیا ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم آپ پر اپنے باپوں اور ماوں سمیت قربان ہیں (یعنی اس خبر پر اس فقرے کا کہنا کچھ مناسبت نہیں رکھتا) لیکن لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو وہ اختیار دیا گیا تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق ہم سب میں سے زیادہ عالم تھے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیاہے۔[1]

الحاصل

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بندے کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود مراد لیا۔

---

[1] - عن أبي سعيد الخدري، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب، فقال: إن الله خير عبدا بين أن يؤتيه من زهرة الدنيا ما شاء وبين لقائه، فاختار لقاء ربه ، فبكى أبو بكر، وقال: بل نفديك بآبائنا وأبنائنا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اسكت يا أبا بكر ثم قال: «إن أمن الناس علي في صحبته وماله أبو بكر، ولو كنت متخذا خليلا من الناس لاتخذت أبا بكر، ولكن أخوة الإسلام ومودته، ألا لا يبقين في المسجد خوخة إلا سدت إلا خوخة أبي بكر قال أبو سعيد، فقلت: العجب يخبرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن عبدا خيره الله بين الدنيا والآخرة، وهذا يبكي، وإذا المخير رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإذا الباكي أبو بكر، وإذا أبو بكر أعلمنا برسول الله صلى الله عليه وسلم۔(الصحیح للبخاری،باب الخوختہ والممر فی المسجد،١/١٠٠،رقم ،٤٦٦،ط،دار طوق النجاۃ۔الصحیح لمسلم ،باب من فضائل ابی بکر ،٤/١٨٥٤،ط،بیروت۔ صحیح ابن حبان ١٤/٥٥٩،طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔ مستخرج ابی عوانہ،مناقب ابی بکر الصدیق،١٨/٣٨١،طبع، الجَامِعَۃ الإِسلامیَّۃ،المملَکۃ العَرَبِیَّۃ السَّعُودیۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر فرما رہی ہیں:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ وقالت کان بشرا من البشر۔(الحدیث) رواہ الترمذی ۔مشکاۃ المصابیح ،فی اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا سی لیا کرتے تھے اپنے کپڑے سی لیا کرتے تھے جس طرح تم اپنے گھر کے کام کرتے ہو۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا کرتے تھے اور فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانوں میں سے ایک انسان وبشر تھے۔[1]

---

[1] - عن عائشة، قالت: سألها رجل: هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعمل في بيته؟ قالت: نعم، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم «يخصف نعله، ويخيط ثوبه، ويعمل في بيته كما يعمل أحدكم في بيته۔(**الشمائل المحمدیہ للترمذی،۱/۱۹۴،رقم،۳۲۵،ط،دار احیاء التراث العربی بیروت۔ صحیح ابن حبان ،۱۴/۳۵۱،طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت**)وفی روایۃ اخریٰ: عن عائشة، قالت: سئلت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعمل في بيته؟ قالت:كان بشرا من البشر يفلي ثوبه، ويحلب شاته، ويخدم نفسه۔(**مسند احمد ۴۳/۲۶۳،طبع،مؤسسۃ الرسالہ۔مسند ابی یعلیٰ موصلی،۸/۲۸۶،طبع، دار المأمون للتراث ، دمشق**)

الحاصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر بشر کا لفظ فرما رہی ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ (عبد) فرما رہے ہیں:

محمد رسول اللہ ﷺ نبیہ و عبدہ ورسولہ [1]

حضرت ملا علی قاریؒ ہمارے حنفیوں کے مسلم امام ہیں ان کا ارشاد ملاحظہ ہو:

اسی پہلی ذکر شدہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

قال علیہ السلام لا تطرونی کما اطریٰ عیسیٰ وقولوا عبد اللہ ورسولہ۔ [2]

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میری زیادہ تعریف نہ کرو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گئی بلکہ (مجھے) کہو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول (ﷺ)۔

---

[1] ۔شرح فقہ اکبر ص ۷۱ مطبوعہ مطبع محمدی لاہور۔

[2] ۔شرح فقہ اکبر ص ۷۱ مطبوعہ مطبع محمدی لاہور۔

عن عمر رضي الله عنهم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم فإنما أنا عبد فقولوا: عبد الله ورسوله "(مسند ابی داؤد الطیالسی،۱/۲۹،طبع،دار ہجر مصر۔المعجم الاوسط للطبرانی،۲/۲۶۵،دارالحرمین القاہرہ)

برادران احناف! ایئے ذرا اس مسئلے مین علم عقائد کے ماہرین ائمہ سے بھی پوچھ لیں۔

مسامرہ لکمال بن ابی شریف:

ان النبی انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحیٰ الیہ وکذا الرسول فلا فرق ۔[1]

ترجمہ: تحقیقی نبی ایک انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ مبعوث فرماتے ہیں تاکہ جو اسے دی گئی ہے اس کی تبلیغ کرے اس معنیٰ میں نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں۔

مسایرہ للعلامہ الکمال بن ہمامؒ:

فالنبی علی ھذا انسان اوحیٰ الیہ بشرع سواء امر بتبلیغہ والدعوۃ الیہ اولا فان امر بذالک فھو نبی رسول والا فھو نبی غیر رسول۔۔۔الخ[2]

ترجمہ: پس نبی اس لحاظ سے ایک انسان ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہے جس کی تبلیغ اور دعوت کا حکم اسے دیا جائے یا نہ، اگر تبلیغ کا حکم کیا جائے تو وہ نبی مرسل ہے، ورنہ وہ نبی غیر مرسل کہلائے گا۔

---

[1] ۔مسامرہ لکمال ابی الشریف، ص۱۹۸ مطبوعہ مطبع کبیری امیریہ مصر۔

[2] ۔مسایرہ در شرح مسامرہ ص۱۹۷، مطبوعہ مطبع کبیری امیریہ مصر۔

امام الصوفیاء الکرام حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

پیغمبران ما علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی قریب بیک لک و بست و چہار ہزار گزشتہ اند، خلائق رابعبادت خالق ترغیب فرمودہ اند واز عبادت غیر منع نمودہ خود را بندہ عاجز دانستہ اند وہیبت واز عظمت او تعالیٰ رساں ولرزاں بودہ اند و آلہ ہنود خلق رابعبادت خود ترغیب کردہ اند ۔۔۔۔بخلاف پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ خلائق را ازاں چہ منع فرمودہ اند۔خود را نیز ازاں باز داشتہ اند۔بروجہ اتم واکمل۔خود رابشر مثل سائر بشر می گفتند۔ع

بہ بین تفاوت راہ از کجا تا بکجا۔[1]

ترجمہ: ہمارے کل پیغمبر جو ترقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں سب کے سب مخلوق کو خالق جل مجدہ کی عبادت کی ترغیب دیتے رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع فرماتے رہے، اور سب نے اپنے آپ کو (اللہ تعالیٰ کا) عاجز بندہ سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی بزرگی سے کانپتے رہے ہیں اور ہندوؤں کے خداوں نے مخلوقات کو اپنی عبادت کی رغبت دلائی ہے،،۔۔۔۔بخلاف انبیاء علیھم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کہ مخلوق کو جن چیزوں سے منع فرمایا ہے خود بھی اس سے باز رہے

[1] ۔مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر ۱۶۶، دفتر اول ص ۵۱، حصہ دوم

ہیں بالکل پورے طور پر دوسرے لوگوں کی طرح اپنے آپ کو
وہ حضرات بشر (بندہ) فرما کرتے تھے۔ ع
بہ بین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا (انتہیٰ)

دعوت فکر

خدا تعالیٰ کے بندو! خدا سے ڈرو۔ جس بات سے اللہ تعالیٰ بھی راضی نہ ہو جو آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے بھی مخالف ہو امام ابو حنیفہؒ کے طریقے کے بھی خلاف ہو اور حضرات صوفیاء کرام کے مسلک کے بھی خلاف ہو، میں نہیں سمجھتا کہ وہ کہاں کا اسلام ہے، جس پر زور دیا جا رہا ہے۔

ازالہ غلط فہمی

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آں حضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ کی درگاہ میں جو عزت و قرب کا درجہ حاصل ہے اس کو ہم پورے طور پر سمجھ بھی نہیں سکتے[1]، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین کا درجہ سمجھنا تو دور رہا

---

[1] - **نبی کریم ﷺ کے شان و مرتبہ کی جھلک:** آقاء دوعالم سید الاولین والآخرین امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدسہ، صفات مبارکہ علم اعلیٰ کے اعتبار سے خدائے پاک کے نزدیک ہر مخلوق سے بلند، محبوب، مقرب ہیں ۔ووطئ مکانا ماوطئ نبی مرسل ولاملک مقرب (الخصائص الکبری، ص۱۸۵/ج ۲، باب اختصاصہ ﷺ بانہ اول النبیین، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)
حضرت آدمؑ اور ان کے علاوہ سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہونگے دستِ مبارک میں لواء الحمد ہو گا۔بیدی لواء الحمد ولافخر آدم فمن دونہ تحت لوائی ولافخر (مسند احمد ص۱/۲۸۱۔ مسند عبد اللہ ابن عباس، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الخصائص الکبریٰ ص ۲/۲۲۴، باب اختصاصہ ﷺ بالمقام المحمود الخ، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

میرے خیال میں ولی کی ولایت[1] اور نبی کی نبوت[2] کا سمجھنا بھی عام لوگوں کے لئے محال ہے ،ہاں البتہ آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادات کو

لیلۃ المعراج میں مقام ادنیٰ و قاب قوسین آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اختصاصه صلى الله عليه وسلّم بانه اوّل النبيين وبالاسراء والعلوالى قاب قوسين(الخصائص الکبریٰ ص۲/۱۸۵، باب اختصاصہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بانہ اول النبیین، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت، وراجع روح المعانی ص۲۷/۵۲، سورۂ نجم، مطبوعہ مصطفائیہ دیوبند)

"الوسیلہ "شفاعت کبریٰ آپ کا حق ہے۔اختصاصه صلى الله عليه وسلم بالمقام المحمود وبالشفاعة العظمى فى فصل القضاء (الخصائص الکبریٰ ص۲/۲۱۸،باب اختصاصہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بالمقام المحمود، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

[1] -**ولی کی تعریف:** کتب عقائد کی معرکۃ الآراء کتاب "شرح العقائد النسفیۃ" ص۱۴۵ (ط:المصباح) میں ولی یابزرگ کی تعریف ملاحظہ ہو :

"والولی هوالعارف بالله تعالى وصفاته حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصى المعرض عن الانهاك فى اللذات والشهوات"یعنی بزرگ وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنی بساط اور مقدور بھر طاقت کے بقدر اللہ تعالی کی ذات اور صفات کا پہچاننے والا ہو، طاعات پر مواظبت کرنے والا ہو اور گناہوں سے بچنے والا ہو، دنیا کی لذات اور شہوات میں زیادہ انہماک سے اعراض کرنے والا ہو۔

اسی طرح عقائد کی مشہور ومعروف کتاب فقہ اکبر کی شرح میں ملاعلی قاریؒ صفحہ ۷۹ میں تقریباً یہی تعریف ذکر کرتے ہیں:

"والولی هوالعارف بالله وصفاته بقدر ما يمكن له، المواظب على الطاعات، المجتنب عن السيئات، المعرض عن الانهاك فى اللذات والشهوات والغفلات واللهوات"

حاصل تعریف چار چیزیں ہیں:

اول:اللہ تعالی کی ذات وصفات کی معرفت حاصل ہو.

دوم:اللہ تعالی کی اطاعت پر مواظبت اختیار کرنے والا ہو.

سوم: گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو.

چہارم: ان تمام لذات وخواہشات سے بھی احتراز کرنے والا ہو جو اللہ تعالی کی یاد سے غفلت کا سبب بنیں۔

ان صفات کا حاصل یہ ہے کہ انسان ہر دم ایسے رہے کہ گویا اللہ تعالی اس کے سامنے ہیں، چنانچہ خود نبی کریم ﷺ احسان جو کہ ایک شرعی اصطلاح اور ولایت اور بزرگی کا اعلیٰ درجہ ہے کی تعریف اپنے فرمان عالی میں یہی فرماتے ہیں :"أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِن لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ" (مشکوۃ المصابیح ص، ۱۱) اوراس دنیامیں سب سے بڑھ کر اللہ تعالی کی معرفت آپ ﷺ کو ہی حاصل تھی۔

2۔**نبی کی تعریف:** لغت میں لفظ "نبی" کے دو معنی پائے جاتے ہیں:

اہم خبر لانے والا، یہ اس صورت میں ہے جب لفظ "نبی" کو مادۂ "نبأ" سے فرض کیا جائے کیونکہ نبأ کے معنی اہم خبر دینے کے ہیں۔ بلند مقام ومنزلت والا، یہ اس صورت میں ہے جب اس کے مادہ کو "نبوۃ" فرض کیاجائے کیونکہ نبوۃ کے معنی بلندی اور ارتفاع کے ہیں۔

اصطلاح علم کلام (THEOLOGICAL TERM) میں نبی وہ ہوتا ہے جس پر خدا کی جانب سے وحی نازل ہوتی ہے اور جس کو ہدایت بشر کے لئے بحیثیت نبی مبعوث کیاجاتا ہے۔

جعفر سبحانی اپنی کتاب "الالھیات" میں لکھتے ہیں:

"النبوۃ سفار ۃ بین اللہ و بین ذوی العقول من عبادہ لازالۃ علتھم فی امر معادھم و معاشعھم"

نبوت یعنی خداوند اور ذوی العقول بندوں کے درمیان سفارت تاکہ ان کے دنیاوی و اخروی امور کے مسائل کو حل کیا جاسکے۔

دوسرے بہت سے متکلمین نبی کی تعریف میں کہتے ہیں:

"ھو الانسان المخبر عن اللہ بغیر واسطہ احد من البشر" نبی وہ انسان ہوتا ہے بغیر کسی بشری واسطے کے خدا کی طرف سے خبر دے۔

نبی کی تعریف شریعت میں یہ ہے: واما فی الشرع فقال اھل الحق من الاشاعرۃ ھو من قال اللہ تعالیٰ لہ ممن اصطفاہ من عبادۃ انارسلنک الیٰ قوم کذا او الی الناس جمیعا اوبلغھم عنی ونحوہ من الالفاظ الدالۃ علیٰ ھذا المعنی کبوشتک ونبئھم،قیل النبوۃ عبارۃ عن ھذا القول مع کونہ متعلقابالمخاطب (**کشاف اصلاحات الفنون** ،ص۱۳۵۹) شریعت میں (نبی کی تعریف) اہل حق اشاعرہ کہتے ہیں کہ جیسے اللہ نے فرمایاہے: کہ ہم نے

سمجھ سکتے ہیں لہذا ہمارا فرض ہے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اقوال وافعال کا اتباع کریں[1]، اور اعتقادات میں جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے ملا ہے اسی پر ایمان رکھیں اور اپنی طرف سے کانٹ چھانٹ نہ کریں[2] اور وہ یہ ہے:

اپنے بندوں میں خاص کیا ہے، ہم نے قوم کی طرف بھیجا ہے، وغیرہ یا لوگوں کی طرف یا ہماری طرف سے ان کو پیغام دے دیجئے وغیرہ کے الفاظ جن کا تعلق مخاطب سے ہو (وہ مخاطب نبی ہوتا ہے)۔

[1] - حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: ان القول لا یقبل مالم یعمل بہ وکلاہما لا یقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لا تقبل مالم توافق السنۃ ۔ (ارشاد الطالبین ص۲۸)

یعنی قول بلا عمل درست نہیں ہوتا اور یہ دونوں (قول و عمل) بلا صحیح نیت کے مقبول نہ ہوگے اور قول و عمل اور نیت مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سنت کے موافق ہوں۔

نیز امام رازی نے آیت کریمہ {لیبلوکم ایکم احسن عملا } کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے ملاحظہ ہو:
ذکروا فی تفسیر احسن عملاً وجوہا احدہا ان یکون اخلص الاعمال واصوبہا لان العمل اذا کان خالصا غیرصواب لم یقبل وکذالک اذا کان صواباًغیرخالص ٍ فالخالص ان یکون لوجہ اللہ والصواب ان یکون علی السنۃ۔(تفسیر کبیر ۸/۲۴۳)

یعنی احسن عملاً سے مراد عمل مقبول ہے اور عمل مقبول وہ ہے کہ خالص اور صواب ہو ورنہ مقبول نہیں اور خالص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے کئے ہو اور صواب وہ ہے جو طریقہ سنت کے مطابق ہو۔

الاعتصام میں ہے: من عمل بلا اتباع سنۃ فباطل ، یعنی جو بھی عمل اتباع سنت کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہے۔(الاعتصام ۱/۱۱۴)

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: لا یستقیم قول وعمل ونیۃ الا بموافقۃ السنۃ ۔ یعنی قول عمل اور نیت درست نہیں جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق نہ ہو (تلبیس ابلیس ص۹)

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے :لا یقبل قول ولا عمل بلا اخلاص واصابۃ السنۃ ۔ (فتح ربانی ۱/۱۴) یعنی قول عمل کے بغیر قبول نہیں اور عمل بھی اس وقت تک قبول نہیں ہو گا جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور سنت طریقہ کے موافق نہ ہو۔

[2] - إن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار، إلا ملة واحدة، قالوا: من هي يارسول الله ؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي۔ (ترمذي، أبواب الإيمان، باب افتراق

اللہ تعالیٰ کو خالق اور رسول اللہ ﷺ کو مخلوق سمجھیں۔[1]

اللہ تعالیٰ کو معبود اور رسول اللہ ﷺ کو عابد سمجھیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کو آقا اور رسول اللہ ﷺ کو غلام سمجھیں۔[1]

ہذہ الأمة، النسخة الہندیة ۲/۹۳دارالسلام، رقم: ۲۶۴۱،المعجم الأوسط، دارالفکر ۳/۳۸۰،رقم: ۷۸۴۰،۴۸۸۶المستدرک، مکتبہ نزار مصطفی الباز ۱/۱۸۹،رقم:۴۴۴)بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی اور سب کے سب جہنمی ہونگے مگر صرف ایک فرقہ ناجی ہو گا۔پوچھا گیا وہ کون ہونگے اے اللہ کے رسول ﷺ: تو فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہونگے۔

فعلیکم معاشر المؤمنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة بأہل السنة والجماعة ... وہذہ الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم في مذاہب أربعة: وہم الحنفیون، والمالکیون، والشافعیون، والحنبلیون رحمہم اللہ، ومن کان خارجا من ہذہ الأربعة في ہذا الزمان فہو من أہل البدعة والنار۔ (طحطاوي علی الدر المختار، کتاب الذبائح، المکتبة العربیة، کوئٹہ ۴/۱۵۳)اے مومنین تم پر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کی اتباع لازم ہے،اور یہی فرقہ کامیاب ہے جو آجکل چار مذاہب پر مشتمل ہے اور وہ حنفی،مالکی،شافعی اور حنبلی ہیں اور جو ان چار سے خارج ہیں آجکل کے دور میں وہ اہل بدعت اور جہنمی ہیں۔

[1]- اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (سورہ زمر آیت ۶۲)اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے

وفی السراجیة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اکرم الخلق و افضلهم ۔(البحر الرائق : ۸/۲۰۶بیروت)فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ ہمارے بنی کریم ﷺ مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والے اور سب سے زیادہ افضل ہیں۔

[2]- والهکم الہ واحد لا الہ الا هو الرحمٰن الرحیم ،(سورة البقرہ،آیت۱۶۳)اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا سوبڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ولا انا عابد ما عبدتم۔(سورہ الکافرون آیت ۴)اور جس کی میں عبادت کرنے والا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کو بھیجنے والا اور رسول اللہ ﷺ کو رسول سمجھیں۔[2]

تعریف بدعت [3]

---

[1] - قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔(سورہ آل عمران آیت ۲۶)

تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور عزت دیوے جسکو چاہے اور ذلیل کرے جسکو چاہے، تیرے ہاتھ ہے سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

عن عمر رضي الله عنهم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم فإنما أنا عبد فقولوا: عبد الله ورسوله "(مسند ابی داؤد الطیالسی،۱/۲۹، طبع،دار ہجر مصر۔المعجم الاوسط للطبرانی،۲/۲۶۵،دارالحرمین القاہرہ)مجھے مرتبے سے ایسے مت بڑھاؤ جیسے عیسیٰ بن مریمؑ کو نصرانیوں نے بڑھایا۔بلکہ میں تو بندہ ہوں سو تم کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

[2] - وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔(سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷) اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ۔قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ۔۔الخ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸) کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

[3] - بدعت کی تعریف: علامہ شمنیؒ نے اس کی یہ تعریف کی ہے جسکو فقہاء نقل کرتے ہیں: ماأحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله من علم اوعمل اوحال بنوع شبهة واستحسان وجعله دينا قويما وصراطا مستقيما۔(حاشیۃ ابن عابدین ۱/۵۶۔البحر الرائق ۱/۳۴۹) نبی کریم ﷺ سے ملے ہوئے حق کے خلاف علم میں یا عمل دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرنا بدعت کہلاتا ہے۔مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرونِ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے ۔(راہِ سنت ،۷۹)اور مفتی کفایت اللہؒ لکھتے ہیں : بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جنکی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہوا اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے۔(راہِ سنت ص۱۱۹ بحوالہ الاعتصام ۱/۳۴)

آں حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فردود ۔[1]

جو شخص ہمارے کام یعنی دین میں کوئی نئ چیز ایجاد کرے۔ جو اس کا جزو نہیں ہے تو وہ چیز مردود ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دربار میں قبول نہیں ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاد پاک میں فی امرنا هذا سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص نئ چیز ایجاد کرے اسے دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جزو قرار دے یعنی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ساری امت پر لازم سمجھے اور اگر کوئی اس کی ایجاد کردہ رسم کو ادا نہ کرے تو اس پر طعن کرے اور اسے دین محمدی سے خارج اور اس کا تارک سمجھے تو ایسا شخص رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دین کا بہی خواہ نہیں بلکہ دشمن ہے کیونکہ دین الٰہی کی جگہ پر اپنے خود ساختہ دین کو رواج دینا چاہتا ہے [2]۔ اس کی

---

[1] - عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ من احدث فی امرنا ہذا مالیس منہ فہورد ۔ متفق علیہ (مشکواۃ المصابیح ۱/۲۷، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' وبخاری شریف کتاب الصلح' باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فہو مردود ا/۳۷۱ط قدیمی' ومسلم شریف 'کتاب الاقضیۃ' باب نقض الاحکام الباطلہ ورد محدثات الامور ۲/۷۷،ط قدیمی)

[2] - التزام مایلزم بدعۃ کما ہو مبرہن:قال العلامۃ الحصکفی: لان الجہلۃ (اذا) یعتقدون (المباحۃ) سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ۔(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ۵۷۷، قبیل باب صلاۃ المسافر)جو چیز شریعت نے لازم نہ کی ہو اسے خود لازم کرنا بدعت ہے جیسا کہ علامہ حصکفیؒ کے قول سے واضح ہے: کہ جب جہلاء مباح چیز کو سنت یا واجب اعتقاد کریں تو مباح کام اس صورت میں مکروہ ہو جاتا ہے۔
وقد تقرر فی الفقہ ان التزام ما لا یلزم لا یجوز، فانہ خلاف للآیۃ الشریفۃ {الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی}، الآیۃ (سورہ مائدہ آیت ۳)فقہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ جو چیز شریعت نے لازم نہ کی ہو اسے

ایجاد کردہ رسموں کی اشاعت سے رسول اللہ ﷺ کے جاری کردہ دین میں یقینا کمی واقع ہوگی۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ ۔[1]

کسی قوم نے کبھی کوئی بدعت اپنی طرف سے ایجاد نہیں کی مگر اتنی سنت اس سے اٹھالی جاتی ہے۔

نذر معین

ہاں ایک چیز نذر ہے جس کی شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اجازت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رضاء الٰہی حاصل کرنے کے لئے کوئی شخص کوئی چیز اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے[2]، اگرچہ وہ عبادت شریعت میں لازم نہ ہوئی ہو، بشرطیکہ جنس عبادت مشروعہ میں سے ہو ورنہ وہ نذر لازم نہ ہوگی[3]۔ جس طرح فقہاء کا

خود لازم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کے خلاف ہے۔

[1] - وقال علیہ السلام ما احدث قوم بدعۃ الارفع مثلہا من السنۃ۔(مشکوٰۃ شریف الاعتصام بالکتاب' والسنۃ ص ۳۱، ط سعید و ابوداؤد' کتاب السنۃ' باب لزوم السنۃ ۲/ ۲۸۷، ط امدادیہ ملتان و مسند احمد' کتاب الغزوات' باب فی غزواتہ ﷺ وبعوثہ الخ ۴/ ۱۰۵ ط المکتب الاسلامی بیروت)

[2] - عن ابن عباس: أن رسول اللہ ﷺ قال: ومن نذر نذرا أطاقہ فلیف بہ۔(سنن أبی داؤد، الأیمان والنذور، باب من نذر نذرالایطیقہ، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۴۷۲، دار السلام رقم: ۳۳۲۲) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نذر مانی اس کی طاقت رکھتا ہے تو اسے پورا کرے۔

[3] - ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و کان من جنسہ واجب أی فرض ... وہو عبادۃ مقصودۃ ... ووجد الشرط المعلق بہ لزم الناذر لحدیث من نذر و سمی فعلیہ الوفاء بما سمی۔ (تنویر مع الدر المختار علی

ارشاد ہے "**لا نذر فی معصیة**" ترجمہ: گناہ کے کام کی نذر مقرر کرنا صحیح نہیں ہے[1]
لیکن وہ عبادت کو اپنی ذات تک محدود سمجھتا ہے دوسرے کسی شخص کو اس عبادت کے کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتا تو یہ بدعت نہیں ہے۔

الرد، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحکام النذر، زکریا دیوبند ۵/۵۱۶،۵۱۵، کراچی ۳/۷۳۵) جس شخص نے نذر مانی مطلق یا کسی شرط کے ساتھ اور وہ واجب یا فرض (عبادت) کی جنس سے ہے تا جب شرط پوری ہو گئی تو نذر ماننے والے پر لازم ہو گی اور جو کچھ اس نے مانا تھا اس پر پورا کرنا لازم ہو گا۔
النذر إن کان فی المباح أو فی المعصیة فلا یلزمه ... والأصل فی ذٰلک أن کل ما کان له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره وکل مالم یکن له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره فالذی له أصل: الصوم والصلاة والحج والصدقة والاعتکاف، والذی لا أصل له فی الفروض: عیادة المریض، وتشییع الجنازة و دخول المسجد، وفی السراجیة: بناء الرباط والسقایة والقنطرة ونحوه۔ (**الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الإیمان، الفصل السادس والعشرون: فی النذور، زکریا ٦/ ٢٨١، رقم: ٩٣٧٦۔ بدائع الصنائع زکریا ٢٢٨، ٢٢٧**)

[1] - عن سعید بن المسیب أن أخوین من الأنصار کان بینهما میراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنی القسمة، لا أکلمک أبدا، کل مالی فی رتاج الکعبة، فقال عمر بن الخطاب رضی الله عنه: إن الکعبة لغنیة عن مالک، کفر یمینک وکلم أخاک، فإنی سمعت رسول الله ﷺ یقول: لایمین علیک، ولا نذر فی معصیة الرب، ولا فی قطیعة الرحم، ولا فیما لا تملک ۔ (**المستدرک، کتاب الأیمان، دار البشائر الإسلامیة ٨/ ٢٧٨٩، رقم: ٧٨٢٣**) حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کی انصار میں سے دو بھائیوں میں میراث (مشترک) تھی تو ایک نے دوسرے سے تقسیم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ اگر دوبارہ تو نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا اور میرا سارا مال کعبے کی ضروریات کے لئے وقف ہو گا تو حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کعبہ مالک کی طرف سے (اس مال سے) مستغنی ہے، اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور بھائی سے بات کرو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ نہ ہی تیرے اوپر قسم ہے اور نہ ہی معصیت کی نذر (جائز) ہے اور ہی قطع تعلقی کی اور نہ ہی اس چیز کی جو تیری ملک میں نہیں ہے۔
عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ قال: من نذر أن یطیع الله فلیطعه ومننذر أن یعصیه فلا یعصیه۔ (**صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب النذر فی الطاعة، النسخة الهندیة ٢/ ٩٩١، رقم: ٦٤٤٠،**

ہمارے مخالف حنفی بھائیوں کی کسوٹی اسلام مجموعہ بدعات ہے۔

اسلام پنجاب کے خروری ارکان کی فہرست میں جن سات مسائل کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے، اگر کوئی شخص ان مسائل کا قائل نہ ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ وہابی ہے اور وہابی کے ساتھ ہمارے بھائی مرتدین کا سلوک کرتے ہیں۔ یعنی جو شخص ان ایجاد کردہ خود ساختہ مسائل (جو نہ رسول اللہ ﷺ کے پیش کردہ اسلام کا جزو ہیں نہ مذہب امام ابو حنیفہؒ کا جزو ہیں) کا اقرار نہ کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں سمجھتے اور نہ اس سے السلام علیکم کہنا جائز رکھتے ہیں۔ ان کے

ف:٦٦٩٦) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جس نے نذر مانی اگر اللہ کی اطاعت کی ہے تو اله کی اطاعت کرے اور اگر معصیت کی ہے تو معصیت نہ کرے۔

علق النذر بما ہو معصیۃ کقولہ إن کلمت أبي فعلي نذر فہو کما علقہ بمباح إن أبہم وکان علیہ أن یحنث نفسہ و یکفر الخ۔ (بزازیہ، کتاب الأیمان، فیبل الفصل الثالث فی یمین الطلاق، زکریا جدید ۱/۱۷۷، وعلی ہامش الہندیۃ ۴/۲۷۲) نذر معلق کی کسی گناہ کے کام کے ساتھ یعنی اگر میں نے اپنے باپ سے بات کی تو میرے اوپر فلاں چیز یا کام۔ جیسا کہ مباح کام معلق کرے تو اس کو توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے۔

ومما یوخذ من الدراہم و الشمع والزیت وغیرہ تنقل إلی ضرائح الأولیاء تقربا إلیہم فحرام بإجماع المسلمین، و أما النذر الذی ینذرہ أکثر العوام علی ما ہو مشاہد کأن یکون لإنسان غائب (إلی قولہ) فہذا النذر باطل بالإجماع لوجوہ منہا أنہ نذر مخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز لأنہ عبادۃ، والعبادۃ لا تکون للمخلوق۔ (البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، زکریا ۲/۵۲۱، ۵۲۰ کوئٹہ ۲/۲۹۸، وہکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند ۶۹۳، الدر مع الرد کراچی ۲/۴۹۳، زکریا ۳/۴۲۷ ہندیہ زکریا قدیم ۱/۲۱۶، جدید ۱/۲۷۹) اور اسی طرح پیسے، چراغ یا تیل وغیرہ اٹھا کر اولیاء کے مزارات کی طرف لے جانا ان کے تقرب کے لئے تو اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ حرام ہے۔ اور بہر حال جس طرح عام لوگ نذر مانتے ہیں جیسے کوئی آدمی لاپتہ ہو گیا تو نذر مانتے ہیں تو یہ بالاجماع باطل ہے کئی وجہ سے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کے لئے نذر ناجائز ہے اس لئے کہ یہ عبادت اور مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی۔

نزدیک ایسے لوگ مساجد میں امام بھی نہیں بتائے جاسکتے اور نہ وہ ان احناف کے ساتھ مل کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ وہ لوگ ارکان اسلام محمدی ﷺ (توحید و رسالت۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ) کے قائل اور عامل ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کے اس برتاؤ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ان خود ساختہ مسائل مذکورہ کو جزو اسلام محمدی علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام قرار دیتے ہیں۔[1]

ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی برادرانہ درخواست

میرے پیارے حنفی بھائیو! خدا تعالیٰ سے ڈرو، یاد رکھو دنیا چند روزہ ہے آخر قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو چل کر منہ دکھانا اشتعال میں نہ آؤ بلکہ ٹھنڈے دل سے ذرا غور کرو اور سوچو آیا جن چیزوں پر تم زور دے رہے ہو اور جس بناء پر آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو۔ اور ایک دوسرے سے سلام و کلام ترک کر رہے ہو کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں یہی دین سکھایا تھا اور یہی امانت تمہارے سپرد کر گئے تھے؟ بلکہ سنو!

---

[1]. بدعت عام ہو جائے تب بھی اس پر عمل کرنا درست نہیں اہل بدعت کے گھر کی گواہی: مولوی احمد رضاخان صاحب لکھتے ہیں، مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے اس زمانے کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں بسعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جزایں نیست کہ وہ تعامل بہتر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۲۳۵)

ہمارے آقا نامدار ،سید المرسلین ،خاتم النبیین ، شفیع المذنبین محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو فرما گئے ہیں:

ترکت فیکم امرین لن تضلو ا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ[1] ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو ہاتھ میں رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے ۔(وہ دو چیزیں کون سی ہیں) اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت

خدا تعالیٰ سے ڈرو اور سوچو کہ یہ مسائل کتاب اللہ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت کے جزو ہیں ،خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور سب بھائیوں کو مع احباب کے حضرات علماء کرام کے اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ، آمین ثم آمین۔

---

[1] - إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تركت فيكم أمرين، لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله، وسنة نبيه۔ (الموطأ للإمام مالک / باب النهي عن القول بالقدر ص: ۵۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ مشکوۃ، ص: ۳۰، وہکذا في المستدرک للحاکم قدیم ۱/ ۹۳، مکتبہ نزار مصطفی الباز ۱/ ۱۳۷ رقم: ۳۱۸)

[2] - واستمداده من الكتاب والسنة و الاجماع والقياس۔ (در مختار ص ۲۰۔ تجلیات صفدر ص ۵۹۶ ج ۱)
اور فقہ میں مدد لی جاتی ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس سے۔

قال النبی ﷺ: مَا عُبِدَ اللہ بِشَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ فِقْہٍ فِی الدِیْنِ وَ لَفَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ وَلِکُلِّ شَیْءٍ عِمَادٌ وَ عِمَادُ الدِّیْنِ اَلْفِقْہُ۔(الحلیۃ، ۲/ ۱۹۲، وابن حجر فی المطالب ۳۰۶۹، ۳۰۶۸ و ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور، ۱/ ۳۵۰ والشوکانی فی الفوائد ۲۸۵، بحوالہ حاشیۃ الشامی مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ ص ۱/ ۱۲۳) آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں کہ: تفقہ فی الدین سے بہتر خدا کی عبادت کسی اور طریقے سے نہیں کی گئی، اور یقینا ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے اور ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔

وعید بدعت

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا میں تمھارا حوض (کوثر) پر پیش رو ہوں۔ جو شخص میرے پاس آئے گا وہ پیئے گا۔ اور جو پیئے گا کبھی پیاسا نہیں ہو گا۔ البتہ بعض قومیں میرے ہاں آئیں گی جن کو میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ آجائے گا (یعنی وہ مجھ تک پہنچ نہیں سکیں گے) پس میں کہوں گا بے شک وہ میرے ہیں۔ پھر کہا جائے گا تحقیق آپ نہیں جانتے اس چیز کو جو انہوں نے آپ کے بعد ایجاد کی تھی، پھر میں کہوں گا جس شخص نے میرے بعد دین میں تغیر و تبدل کیا تھا اسے ہٹا دو۔[1] (اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے)

---

[1] - عن أبي حازم، قال: سمعت سهلا، يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: أنا فرطكم على الحوض، من ورد شرب، ومن شرب لم يظمأ أبدا، وليردن علي أقوام أعرفهم ويعرفوني، ثم يحال بيني وبينهم قال أبو حازم: فسمع النعمان بن أبي عياش وأنا أحدثهم هذا الحديث، فقال: هكذا سمعت سهلا يقول؟ قال فقلت: نعم.قال وأنا أشهد على أبي سعيد الخدري لسمعته يزيد فيقول إنهم مني، فيقال: إنك لا تدري ما عملوا بعدك، فأقول: سحقا سحقا لمن بدل بعدي(صحیح بخاری ،باب فی قول اللہ تعالیٰ واتقوا۔۔۔الخ ،رقم الحدیث،۷۰۵۰۔الصحیح لمسلم،۳/۱۷۹۳،طبع دار إحياء التراث العربي - بیروت و مسند احمد ۳۷/۵۱۴،طبع مؤسسۃ الرسالۃ)

عبرت

میرے حنفی بھائیو! خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو دل کے کان کھول کر سنو اور اپنی موجودہ حالت کو دل کی آنکھیں کھول کر دیکھو اور اپنے مذہبی علماء کرام سے بایں الفاظ پوچھ کر دیکھو کہ جن رسموں اور وظیفوں کے نہ ماننے والوں کو آپ وہابی اور بے ایمان کا لقب دیتے ہیں (جن کا مختصر ذکر اوپر گزرا ہے) کیا یہ چیزیں رسول اللہ ﷺ نے خود کیں یا فرمائی تھیں یا بعد کی بنائی ہوئی ہیں، خدا تعالیٰ کے بندو! کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں بھی ہم لڑتے ہی مریں اور قیامت کے دن کہیں دربار محمدی ﷺ سے بھی دھکے دے کر نکال دیئے جائیں۔[1]

اسلام کا صحیح راستہ

برادران اسلام! اسلام کا صحیح راستہ فقط وہی ہے، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھایا ،اور جس پر چل کر ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے دربار سے "**رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ**"

---

[1] ۔جس امر سے مصطفیٰ ﷺ بے عذر مانع بالقصد فرمائیں وہ ضرور امر شرعی و مشروع نہیں ہو سکتا (فتاویٰ رضویہ، ۹/ ۳۴۶) ایک اور جگہ فاضل بریلوی لکھتے ہیں: جو حضور ﷺ کے عہد میں ہوتا ہے وہی حق وباطل کے درمیان امتیاز ہے۔ (شمائم العنبر ص ۱۴۹)

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے) کا مبارک تمغہ قرآن مجید میں پایا۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا طرز عمل:

چونکہ یہ رسالہ عام فہم بنانا مقصود ہے اس لئے بجائے روایات کثیرہ کے جمع کرنے کے ان حضرات کے طرز عمل کا خلاصہ دیا جاتا ہے۔ جس سے کسی سمجھ دار عالم کو اختلاف کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

نمبر اول: قرآن مجید

نمبر دوم: حدیث شریف

---

[1] ۔ملأ اعلیٰ سے اللہ جل شانہ نے مطلقاً ان سے اپنی رضا کا اعلان کر دیا ہے، چنانچہ قرآن کریم علی الاعلان پکار رہا ہے: والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضي الله عنه ورضوا عنه۔ (سورہ توبہ آیت ۱۰۰) اللہ رب العزت نے سابقین ولاحقین دونوں کے متعلق اپنی رضا کا اعلان فرما دیا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر مقدمہ استیعاب میں فرماتے ہیں: ومن رضي الله عنه لم يسخط عليه أبدا إن شاء الله (کیوں کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہیں، اپنی رضا کا اعلان اسی کے بارے میں کریں گے، جس کی آئندہ زندگی شریعت کے مطابق ہوگی) اور اگر صدور گناہ ہوگا بھی تو میں اسے اپنے فضل و کرم سے معاف کر دوں گا، اور اس سے رضا کا ہی معاملہ کروں گا۔

وعن انس ’’اَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا بِبِئْرِ مَعُوْنَۃَ قُرْآناً قَرَأْنَاہُ حَتّٰی نُسِخَ بَعْدَ اَنْ بَلِّغُوْا قَوْمَنَا اَنْ قَدْ لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَرَضِیْنَا عَنْہُ (مسلم ص ۱/۲۳۷، کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ، مکتبہ رشیدیہ دہلی) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جو بیر معونہ میں شہید ہو گئے تھے، قرآن نازل فرمایا جو ہم نے پڑھا یہاں تک کہ اس کے بعد وہ منسوخ ہو گیا (وہ قرآن یہ ہے کہ ہماری قوم کو یہ بات پہونچا دو کہ تحقیق ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی پس وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہوئے۔

نمبر سوم: اجماع امت

نمبر چہارم: قیاس[1]

علماء کی قسمیں:

بے چارے عام مسلمانوں کا اتنا ہی فرض ہے کہ وہ علماء کی خدمت میں آئیں اور ان سے دین الہی سے سیکھیں لیکن اے برادران اسلام! اگرچہ ہر ایک مولوی صاحب آپ کے سامنے یہی دعویٰ کریں گے کہ میں مسلک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا پورا متبع ہوں اصلیت یہ ہے کہ ان علماء کی دو قسمیں ہیں علماء ربانی، علماء سو۔ لہذا علماء ربانیین کا اتباع کرو اور علماء سوء کی صحبت سے بچو اور ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرو۔[2]

---

[1] - واستمداده من الكتاب والسنة و الاجماع والقياس۔ (در مختار ص ۲۰۔ تجلیات صفدر ص ۱/۵۹۶)
اور فقہ میں مدد لی جاتی ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس سے۔

[2] - علماء کی دو قسمیں ہیں ۱۔ علماء اہل حق ۲۔ علماء سوء

علماء حق کی بنیادی شناخت اور وصف کو قرآن کریم نے خود بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے: {إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا} (فاطر: ۲۸) علماء حق کی خاص پہچان یہی ہے کہ وہ خشیتِ باری کی صفت سے بطورِ خاص متصف ہوتے ہیں۔ مجدد وقت حکیم الامت، مرشد تھانوی کی یہ بات بھی کس قدر چشم کشا اور مبنی بر حقیقت ہے: "مولوی اُسی کو کہتے ہیں جو متقی بھی ہو، اور جو متقی نہیں، جس میں خشیت باری نہیں وہ مولوی کیسا؟ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں: خشیت اللہ را نشان علم داں آیت یخشی اللہ در قرآن بخواں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کو علم کا نشان اور اس کی خاص پہچان اور شان سمجھو! کیوں کہ خود قرآنِ کریم نے آیت کریمہ: {إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا} میں اس کی گواہی دی ہے۔ جو شخص جتنا بڑا عالم ہوگا وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی عالم نہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا بھی کوئی

عالم ربانی کا شیوہ:

عالم ربانی کا اولین فرض اعلاء کلمۃ اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آواز کانوں میں پہنچائے گا۔ کتاب اللہ کی شرح میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال پیش کرے گا، جو مسئلہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں نہ ملے اس کو اجماع امت سے حل کرے گا۔ اگر اجماع امت میں بھی نہ پائے تو قیاس امام کی طرف رجوع کرے گا۔[1]

عالم ربانی کی صحبت کا اثر:

عالم ربانی کی صحبت میں طبیعتوں پر اسی قسم کا اثر ہو گا، جیسا کہ آں حضرت ﷺ کی پاک صحبت میں صحابہ کرام پر ہوا تھا، اگرچہ ویسا رنگ چڑھنا تو محال قطعی ہے، لیکن عالم ربانی کی صحبت کا اثر ظل محمدی کا ادنیٰ نمونہ ہو گا۔

نہیں، جیسا کہ حدیثِ پاک میں وارد ہے: " وَاللهِ! إِنِّيْ لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ أَتْقَاكُمْ لَہٗ" (متفق علیہ، مشکوٰۃ ۲۷) خدا کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ خوف کرتا ہوں۔

[1] - عن الحارث بن عمرو ، عن رجال من أصحاب معاذ ، أن رسول الله ﷺ بعث معاذاً إلى اليمن ، فقال : " كيف تقضي ؟ " ـ فقال : أقضي بما في كتاب الله ، قال : "فإن لم يكن في كتاب الله ؟ " ـ قال : فبسنة رسول الله ﷺ، قال : "فإن لم يكن في سنة رسول الله ﷺ؟ " ـ قال : أجتهد رأيي ، قال : " الحمد لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله ﷺ " (جامع الترمذي ۲/ ۳۳۰، رقم الحديث: ۱۳۲۷، کتاب الأحکام، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، بيروت، السنن لأبي داود: ص۵۰۵، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرأي في القضاء، قديمي، رقم الحديث: ۳۵۹۲، عون المعبود: ص۱۵۳۲، بيروت، أصول الشاشي: ص۸۴۸۳، البحث الرابع في القياس، مکتبہ بلال بکڈپو دہلي) حضرت معاذ چونکہ خود مجتہد اور صحابی تھے اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد کی بات کی۔

تشریح اثر:

۱۔ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال سطوت و جبروت رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے اور یہ نقشہ آہستہ آہستہ ایسا پختہ ہو جائے کہ کسی وقت میں جلوت و خلوت میں خلاف مرضی الٰہی نہ ہونے پائے۔

۲۔ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اتباع کا شوق پیدا ہو اور روز بروز بڑھتا جائے۔

۳۔ احکام الٰہی کی سابقہ مخالفت اور بے اعتنائی اور ندامت ہو گزشتہ سے طلب عفو اور آئندہ کی پابندی کا عزم بالجزم ہو۔[1]

---

[1] ۔ **علماء حق کی پہچان:** امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں "علمائے آخرت" کے عنوان کے ذیل میں درج ذیل پہچان بتائی ہے :

۱۔ وہ اپنے علم سے دنیا نہ کماتے ہوں، کیوں کہ علم کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی فنائیت و حقارت کا احساس ہو، اور آخرت کی عظمت اور اس کا استحضار ہو۔

۲۔ ان کے قول و عمل میں تعارض و ٹکراؤ نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دیں اور خود ہی اس پر عمل نہ کریں ، ارشادِ باری ہے:{ أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَ أَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ أَ فَلاَ تَعْقِلُوْنَ} (البقرۃ:۴۴) یہ کیا غضب ہے کہ اوروں کو تو نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور خود اپنی ہی خبر نہیں لیتے، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا کہ ''مَنْ هُمْ أَرْبَابُ الْعِلْمِ؟ '' اہل علم اور علماء حق کون ہیں؟ تو فرمایا:'' اَلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ'' جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں، (یعنی جن کے قول و عمل میں تعارض نہ ہو) پھر سوال فرمایا کہ ''فَمَا أَخْرَجَ العِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ العُلَمَاءِ؟'' علماء کے دلوں سے علم کو کونسی چیز نکال دیتی ہے؟ ''قالَ: الطَّمَعُ'' (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ:۳۷) فرمایا: دنیا کا لالچ علم کو دلوں سے نکال دیتا ہے۔

۳۔ ایسے علوم وامور میں اخلاص کے ساتھ مشغول ہوں جو آخرت میں کارآمد اور نفع بخش ہوں، اور ایسے علوم وامور سے اجتناب واحتراز کریں جو آخرت کے اعتبار سے نفع بخش نہ ہوں؛ بلکہ نقصان دہ ہوں۔

۴۔ کھانے، پینے اور لباس کی نزاکتوں اور عمدگیوں کی طرف متوجہ نہ ہوں؛ بلکہ ان چیزوں میں میانہ روی اختیار کریں، اور بزرگوں کے سادہ طرزِ عمل کو اختیار کریں۔

۵۔ امراء وحکام سے حتی الامکان دور رہتے ہوں، اگر ان کے ساتھ کسی صحیح غرض سے تعلق ہو تو تملق نہ ہو، ان کی چاپلوسی ہرگز نہ کریں، ورنہ فتنہ میں مبتلا ہونے کا شدید اندیشہ ہے۔

۶۔ اصلاحِ قلب اور اصلاحِ باطن کی بہت فکر اور اہتمام کریں، اس کے بغیر نہ علم میں بصیرت پیدا ہو سکتی ہے نہ برکت۔

۷۔ خرافات، رسومات، بدعات اور معاصی سے بہت ہی زیادہ احتیاط اور اہتمام سے بچتے رہیں، اور اگر کبھی بشریت کے تقاضے سے کوئی غلطی بھی ہو جائے تو فوراتوبہ کی طرف متوجہ ہوں، اور ظاہر بات ہے کہ مذکورہ تمام اوصاف وعلامات خوفِ الٰہی کے بغیر مشکل ہیں، اس لیے قرآنِ کریم نے علماء حق کا وہ بنیادی وصف بیان فرمایا جو دیگر اوصاف وعلامات کو شامل ہے۔(احیاءعلوم الدین۔کتاب العلم)

ایسے علماء حق کے بڑے فضائل آئے ہیں :عَنْ أَبِیْ أُمَامَۃَ البَاھِلِیِّ قَالَ: ذُکِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِﷺ رَجُلاَنِ، أَحَدُھُمَا عَابِدٌ وَ الآخَرُ عَالِمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ : " فَضْلُ العَالِمِ عَلٰی العَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی أَدْنَاکُمْ" ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: "إِنَّ اللّٰہَ وَ مَلاَئِکَتَہٗ وَ أَھْلَ السَّمَاوَاتِ وَ الأَرْضِ حَتّٰی النَّمْلَۃِ فِیْ جُحْرِھَا، وَ حَتّٰی الحُوْتِ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الخَیْرَ۔(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، ص:۳۴، کتاب العلم، الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، جن میں سے ایک عابد (عبادت گزار) اور دوسرا عالم تھا۔(آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے ؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے کہ میری فضیلت تم میں سے اس شخص پر جو تم میں سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو" پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین کی تمام مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لیے دعاء خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو خیر (علم دین) کی تعلیم دیتا ہے۔

۴۔ مندرجہ ذیل اوصاف میں انقلاب ہو جائے:

بجائے اس کے	یہ صفت پیدا ہو جائے	بجائے اس کے	یہ صفت پیدا ہو جائے
زر پرستی	خدا پرستی	حسد، کینہ، بغض	خیر خواہی
خوف ماسوا اللہ	خوف الٰہی	انانیت	مساوات
مسلمانوں کی سابقہ عداوت	آپس کی محبت	دوسروں کی عیب بینی	اپنی عیب بینی
جاہ طلبی	خدا طلبی	مطلب پرستی	ایثار
تکبر	تواضع		

علماء سوء (برے) کا شیوہ:

عالم ربانی کے جذبات و احسانات و خدمات کا برعکس کر لیا جائے تو علماء سوء (برے) کا نقشہ سامنے آ جائے گا۔ مثلاً بجائے اشاعت کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے بدعات کا زور ہو جائے۔ آپس میں پہلے مل بیٹھنے والے، مل کر نماز پڑھنے

وعن أبي حفص حدثه أنه سمع أنس بن مالک يقول: قال النبي صلی اللہ علیه وسلم: إن مثل العلماء في الأرض کمثل النجوم في السماء یہتدی بها في ظلمات البر والبحر، فإذا انطمست النجوم أوشک أن تضل الهداة۔ (مسند أحمد ۳/۱۵۷، رقم: ۱۲۶۲۷) یعنی علماء آسمان کے ستارے کے مانند ہیں جن سے خشکی و تری میں راہ گیر روشنی حاصل کرتے ہیں اگر ستارے نہ ہوں تو مسافرین گم گشتہ راہ ہو جائیں گے (یہی حال علماء کا ہے کہ اگر وہ نہ ہوں تو لوگ گمراہ ہو جائیں گے)

والے، ایک دوسرے سے السلام علیکم کہنے والے آپس میں لڑ پڑیں متنفر ہو جائیں سلام و کلام چھوڑ دیں۔[1]

---

[1] ۔**علماء سو کی پہچان**: علمائے سو کی مختلف پہچان احادیث میں بیان کی گئی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من طلب العلم لیماري بہ السفہاء أو یصرف بہ وجوہ الناس إلیہ أدخلہ النار (**سنن ترمذی، باب ماجاء فیمن یطلب بعلمہ الدنیا، ۴/۳۲۹، رقم الحدیث، ۲۶۵۴، ط، دار الغرب الاسلامی، بیروت**) جس شخص نے علم اس لیے حاصل کیا تاکہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم علم لوگوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو علم کے ذریعہ اپنی طرف مائل کرے، اللہ تعالی ایسے شخص کو جہنم میں داخل کریں گے۔ **دوسری روایت میں ہے**: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ إلا لیصیب بہ عرَضًا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة یعنی ریحہا (**مسند احمد ۱۴/۱۶۹، رقم الحدیث ،۸۴۵۷، ط، الرسالہ۔ سنن ابی داؤد، ۳/۳۲۳، رقم الحدیث ،۳۶۶۴، ط، مکتبۃ العصریہ بیروت**) شخص نے اس علم کو جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سیکھا جاتا ہے اس لیے سیکھا تاکہ اس کے ذریعہ دنیا کمائے ایسا شخص جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ **تیسری حدیث میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**: اتقوا الحدیث عني إلا ما علمتم فمن کذب علي متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار (**مسند ابن ابی شیبہ، ۱/۱۹۳، ط، دار الوطن الریاض۔ مسند احمد، ۴/۴۱۵، ط، الرسالہ**) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری جو حدیث تمھیں معلوم ہو وہی بیان کرو، اس لیے کہ جس نے جھوٹ بات میری طرف منسوب کرکے نقل کیا اسے اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھنا چاہیے۔ **چوتھی حدیث میں ہے**: قال سأل رجل النبيَ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشر فقال لا تسألوني عن الشر وسلوني عن الخیر یقولہا ثلاثا ثم قال ألا إن شر الشر شرار العلماء وإن خیر الخیر خیار العلماء (**مسند دارمی، ۱/۱۶۷۔ رقم ،۳۷۶**) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے شر کے بارے میں سوال مت کرو بلکہ خیر کے بارے میں سوال کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شر میں بدتر شر علمائے سو کا شر ہے اور تمام بھلائیوں میں اعلی درجہ کی بھلائی علماء کا خیر ہے۔ علماء اہل حق کی توہین کفر ہے عالم دین کو عالم دین ہونے کی حیثیت سے بلاوجہ شرعی توہین و تنقیص کرنا یا سب و شتم کرنا گویا اس کے سینے میں محفوظ علوم قرآن وحدیث کی توہین واستخفاف ہے۔اس لیے اس

اللهم الف بین قلوب المسلمین واصلح بالهم واحفظنا من شرور انفسنا وشرور اعدائنا ووفقنا لاتباع نبیک الکریم الهادی الی الدین القویم والصراط المستقیم آمین یا اله العالمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تصدیقات علماء کرام

ا۔جو چیزیں مولانا نے ارقام فرمائے ہیں میرا ان کے ساتھ پورا اتفاق ہے۔فقہ حنفی کی رو سے یہی تحقیق ہے۔اور امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب صحیح اور غلط معلوم کرنے کے لئے جو معیار مولانا مدظلہ نے قائم کیا ہے۔اس کی رو سے ہر ذی فہم حق اور باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔بشرطیکہ انصاف سے کام لے اور بصیرت خداداد کو عمل میں لائے۔اللہ تعالی ہر ایک مسلم کو صحیح فہم عطاء فرمائے اور تعصب کو دور کر کے صراط مستقیم کی تلاش کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)(حضرت مولانا مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور)

۲۔حضرت مولانا صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ائمہ حنیفہ کا مسلک اور حق ہے۔

(حضرت مولانا مولوی نور الحق صاحب بسال ضلع اٹک حال مقیم لاہور)

۳۔میری ناچیز دانست اور حقیر مبلغ علم میں حضرت مولانا نے یہ رسالہ محققانہ اقوال کی بنا پر تحریر فرمایا ہے۔کہ اللہ تعالی ہم مسلمانوں کو ایسے مسائل سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔والسلام۔

(حضرت مولانا مولوی کریم بخش صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

۴۔خاکسار نے اس رسالے کو تمام سنا اور اس کے تمام مسائل سے میرا اتفاق ہے

حرکت پہ اندیشہ کفر ظاہر کیا گیا ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے: ویخاف علیه الکفر إذا شتم عالماً أو فقیہا من غیر سبب۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب السیر، الباب التاسع، مطلب موجبات الکفر أنواع ., زکریا قدیم ۲/۲۷۰، جدید ۲/۲۸۲)

اللہ ہمیں علماء اہل حق میں سے بنائے ،ان کا قدر داں بنائے اور ان کی معیت وصحبت خاصہ عطا فرمائے۔(آمین)

(حضرت مولانا مولوی ابو محمد احمد صاحب امام مسجد صوفی لاہور)

۵۔بے شک معیار حقیقت یہی ہے جو میرے مکرم مہربان مولانا احمد علی صاحب نے اس رسالے میں تحریر فرمایاہے۔(مولانا مولوی سید طلحہ صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور)

۶۔واقعی اصلی حنفیت یہی ہے جو حضرت مولانا نے اس رسالے میں ارقام فرمایاہے۔

(مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب مدرس شاہی مسجد لاہور)

۷۔مولائے محترم نے رسالہ ھذا میں جو کچھ سپرد قلم فرمایاہے اس کے صحیح اور واجب التسلیم ہونے میں کسی سمجھ دار اور منصف مزاج مسلمان کو انکار کا موقع بالکل نہیں رہا میں نے اس کو از اول تا آخر سنا اور مجھے اس سے کلی اتفاق ہے۔

(مولانا مولوی حمید الدین صاحب فاروقی مقیم لاہور)

۸۔یہ رسالہ حنفیہ حقیر کے لئے اصلی دستور العمل ہے فاضل مصنف نے اپنا اخلاص پیش نظر رکھ کر احناف کو اپنا ممنون کرلیا۔

(حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب اول مدرس جامعہ انوار العلوم گوجرانوالہ)

۹۔ما کتب مولانا المولف فی ھذا الکتاب فھو موافق والسنہ فی اجماع الامہ ومطابق باھل المذھب الحنفیہ۔

(حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب پروفیسر خالصہ کالج گوجرانوالہ)

۱۰۔احمد علی ما حررہ المولف العلوم۔

(مولانا مولوی سید اظہار الحق صاحب عباسی ناظم الدینیات الاسلامیہ)

۱۱۔نعم ما قال ھذا القائل وزینہ باصح دلائل ۔

(مولانا مولوی محمد مبارک الدین صاحب مدرس عربی ہائی سکول گوجرانوالہ)

۱۲۔جو کچھ اس میں لکھاہے اس کے موافق ہوں۔اور اس کی اشاعت کو اعلی درجہ کی دینی خدمت سمجھتا ہوں۔

(مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب سکول ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ)

۱۳۔حضرت مولانا نے جو کچھ اس رسالے میں تحریر فرمایا ہے بلاشبہ وہ سچے حنفی المذہب کا طریقہ ہونا چاہیے۔(مولانا مولوی محمد چراغ صاحب مدرس مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ)

۱۴۔ھذا ھو الحق وما ذا بعد الحق الا الضلال ۔

(مولانا مولوی عبد اللہ صاحب المعروف مولوی نبی بخش صاحب امام مسجد مولوی سراج الدین صاحب مرحوم بقلم عبد العزیز سکول ماسٹر ہائی سکول گوجرانوالہ)

۱۵۔جناب حضرت مولانا نے جس لرزہ افگن منصفانہ اور روحانیت سے بھرے الفاظ میں حنفیت کا واقعی چہرہ دکھلایا اور جس سے مولانا نے ان علماء سوء کو جنہوں نے مصنوعی حنفیت اور تفریق بین المسلمین کو اپنی شکم پروری کا بہترین آلہ سمجھا ہے۔ان کے تمام مکر وفریب،افتراء و تزویر کے جال کے تار و پود کو بکھیر کر پاش پاش کر دیا ہے وہ اس فتنہ کے زمانے میں امت محمدی اور خصوصاً حنفی بھائیوں پر حد سے بڑھ کر احسان ہے۔

میں بھی حضرت مولانا کی اس بیش بہا خدمت سے حرف بحرف متفق ہوں۔

(مولانا مولوی شمس الحق صاحب پشاوری حنفی قادری مقیم لاہور)

۱۶۔واقعی مذہب حنفیہ کے یہی اصول ہیں جن کا مولانا صاحب نے ذکر کیا ہے،اور علماء سوء اور عبدۃ الظن نے اپنے ایجادات جن کی بنائے مدار اکثر اکل و شرب پر ہے اور جس میں سے بعض کے جواز وعدم جواز میں علماء کو اختلاف ہے،اسلام میں داخل کر دیا ہے وہ اسلام کی نہ اجزاء ہیں اور نہ شریعت نے ان کے ماننے پر مجبور کیا ہے ،اور ان مسائل کو جن پر آجکل پنجاب میں مذہب حنفی کی بنیاد رکھی جا رہی ہے جن کا ذکر اس رسالے میں آچکا ہے مذہب حنفیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے(مولانا مولوی محمد عبد العزیز صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ)

۱۷۔میں نے تمام رسالہ کا من اولہ الی آخرہ مطالعہ کیا۔مذہب حنفیہ کے بالکل مطابق پایا،اور جو مسائل حضرت مولانا محترم نے ارقام فرمائے ہیں ان سب سے من کل الوجوہ بندہ کو اتفاق ہے کیونکہ ہر مسلم حنفی کی یہی عقیدت ہونی چاہئیے ،مسائل مذکورہ متفق علیہ مذہب احناف کے مسائل ہیں جن کا صحیح اور واجب التسلیم ہونا ہر مقلد حنفی کے لئے ضروری ہے۔

(مولانا مولوی ایوب حسن صاحب حنفی فاورقی سہارنپوری مقیم لاہور)

۱۸۔مسائل منازعہ پر جن اصول کے مطابق رسالہ ھذا میں بحث ہوئی ہے وہ قرآن مجید ،حدیث اور صحیح حنفیت ہے،پس جبکہ کسی بھی مسئلہ پر ان تینوں چیزوں سے مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے تو ان کا خلاف کرنا گویا شریعت کے منہ پر طمانچہ مارنا اور مذہب سے سرکشی اور طغیان کے مترادف ہے ،جس کا کوئی بھی صحیح حنفی المذہب تصور تک نہیں کر سکتا چہ جائیکہ باربار سمجھانے کے بعد بھی صدائے مخالفت وفساد بلند کرے،

(مولانا مولوی مظفر حسین صاحب عفااللہ عنہ مقیم لاہور)

۱۹۔الحمد للہ علی عبادہ الذین الصطفیٰ ،فطرت سلیم کے لئے یہ رسالہ ھذا بہترین راہبر کا حکم رکھتا ہے،البتہ جو طبیعتیں سرے سے مسخ ہو چکی ہیں ان کے لئے چاہے تمام قرآن شریف اور احادیث نبویہ اور اقوال ائمہ کا عطر نکال کر سامنے رکھ دیا جائے جب بھی کوئی فائدہ مقصود نہیں ہو سکتا،مؤلف علام نے جن کا زہد و تقویٰ للّٰہیت مسلم ہے اس مختصر رسالہ میں حنفی بھائیوں کو صراط مستقیم دکھلانے کی جو کوشش کی ہے اس میں وہ یقینا کامیاب ہو گا،اب یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرما کر دارین میں فائز المرام فرمائے۔آمین۔

(مولانا مولوی محمد سعید صاحب مولوی فاضل مقیم لاہور)

۲۰۔اس رسالہ میں اکثر مقامات کو بغور دیکھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ رسالہ ایسے وقت میں جبکہ اختراعات کی گھٹاؤں اور بدعات کے بادلوں نے فضائے شریعت غرا خصوصا مذہب امام الائمہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کو گھیر رکھا تھا،شمس ہدایت ومظہر حقیقت مذہب حنفیہ ثابت ہوا۔ہر مسلمان خصوصا حنفی کو مسائل محررہ کالائحہ عمل بنانالازم ہے۔

(مولانا مولوی محمد عبد العزیز صاحب حنفی الصدیقی مقیم لاہور)

ضَمیمہ بَر اصلی حنفیت

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے بدعات کے رد میں جو رسالہ شائع فرمایا تھا اور اس میں جس انداز سے بدعات و اختراعات کا رد کیا اور حنفیت کی اصلی اور حقیقی روح کو اجاگر کیا یہ کام کسی تعارف اور تعریف کا محتاج نہیں حضرت رحمہ اللہ کے رسالہ میں جن بدعات و محدثات کا تذکرہ نہیں ہوا اور آجکل حنفیت کے روپ میں انہیں پیش کیا جاتا ہے ہم مختصراً ان کو بطور ضمیمہ کے پیش کریں گے تاکہ قارئین اس سے مکمل مستفید ہو سکیں۔

ما قبل میں حضرت کے رسالہ میں جن بدعات و محدثات کا ذکر ہوا ہے ان میں ترکِ تقلید، قیام مجلسِ میلادُ النبی ﷺ، ایصالِ ثواب کے مروجہ طریقے، نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف کا وِرد، گیارہویں شریف، وظائف شیخ عبد القادر جیلانیؒ، رسولُ اللہ ﷺ کو بشر کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ اور نذر و نیاز جیسے مسائل شامل تھے ہم بطور ضمیمہ ان مسائل کے علاوہ چند ایک مزید مسائل پیش کریں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں حقیقی حنفیت پر کاربند رہ کر مکمل شریعت کی اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔

عقیدہ حاضر وناظر:

منجملہ ان مخترعات کے ایک عقیدہ حاضر وناظر ہے جس کی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور اور فقہ حنفی میں کوئی حقیقت و اصلیت نہیں۔اور اہل بدعت اس عقیدے کو بھی بشریت انبیاء کی طرح اہمیت دیتے ہیں اور اپنے مخالفین پر کافر ہونے کا فتویٰ بھی لگاتے ہیں[1]

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ حاضر ناظر فقط یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر وقت حاظر وناظر ہے،زمین وآسمان کائنات کا ہر ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق میں کسی کو ہر جگہ ہر وقت (موجود) حاضر (دیکھنے والا) ناظر ماننا صحیح نہیں

---

[1] ۔۱۔مولوی قمر الدین سیالوی لکھتے ہیں: محبوب خدا کے حاضر ناظر ہونے کا انکار التزام کفر ہے، جس سے نکاح نہیں رہتا۔(انوار قمریہ ص،۱۰۷، طبع جامعہ قمر الاسلام کراچی)

۲۔بریلوی مولوی فیض احمد اویسی لکھتا ہے: حضور ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کا انکار وہی کریگا جو یا تو اپنے آپ کو مومن نہ جانے یا حضور پر نور ﷺ کو نبی نہ سمجھے۔(صحابہ کرام کا عقیدہ حاضر ناظر ص۸ طبع کتب خانہ اویسی سیر انی روڈ بہاولپور)

۳۔مولوی غلام نصیر الدین سیالوی اور مولوی غلام مہر علی شاہ لکھتے ہیں: یہ لوگ حضور ﷺ کے اوصاف کاملہ کے انکار کی وجہ سے کافر ہوگئے، جس صفات کاملہ سے ان لوگوں نے انکار کیا ہے ان میں علم غیب، حاضر ناظر، کا منکر ہو جانا یہ ان کے کفر کی وجوہات ہیں۔(عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ج۱ ص۶۹، اہلسنت پبلشرز دینہ کراچی۔دیوبندی مذہب مشائخ اور علماء کی ہدایات، ص۶۳۵، اشاعت یکم نومبر ۲۰۱۲،ناشر تنظیم اہلسنت پاکستان)

۴۔مولوی محمد عمر اچھروی لکھتا ہے:جو نبی ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کے منکر ہیں ان کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہیں۔(مقیاس حنفیت حصہ حاضر ناظر، ص۲۶۸، طبع سوئم انشاء پریس لاہور)

ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ یا کسی اور انسان کو بھی حاضر و ناظر مانا جائے تو کیا وہ ہستی یا شخصیت پیدائش سے پہلے بھی حاضر ناظر ہو گی یا صرف پیدائش کے بعد ؟۔۔۔ پھر اگر وہ نبی ہے تو نبوت سے پہلے حاضر و ناظر ہونگے یا صرف نبوت ملنے کے بعد ؟۔۔۔ ان میں سے ہر بات پر کئی قسم کے سوالات اٹھتے ہیں مثلاً اگر نبی کریم ﷺ کو پیدائش سے پہلے ہر جگہ حاضر ناظر مانیں تو جو پیدا ہوتا ہے وہ پیدائش سے پہلے ہی موجود ہوتا ہے تو پیدائش چہ معنیٰ دارد[1]؟ اور اگر پیدائش کے بعد سے مانیں تو آپ ﷺ اپنی اماں جان کے شکم مبارک میں بھی ہوئے اور باہر بھی تو پھر بھی پیدائش چہ معنیٰ دارد؟ اور اگر آپ ﷺ کو نبوت سے پہلے ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جائے تو آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ جب شام کے سفر پر گئے اور راستے میں ایک عیسائی راہب نے آپ ﷺ کو دیکھا تو واپس ہو جانے

---

[1] - ولد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بشعب بنی ہاشم بمکۃ فی صبیحۃ یوم الإ ثنین التاسع من شہر ربیع الأوّل لأوّل عام من حادثۃ الفیل۔ (الرحیق المختوم ص: ۶۱، بحوالہ نتائج الأفہام فی تقویم العرب قبل الاسلام ص:۳۵۲۸)

وفی السیرۃ النبویۃ لابن کثیر (۱/۱۹۸): ولد صلوات االلہ علیہم وسلامہ یوم الاثنین ....ثم الجمہور علی ان ذلک کان فی شہر ربیع الاول فقیل للیلتین خلتا منہ قالہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب ورواہ الواقدی عن ابی معشر نجیح بن عبد الرحمن المدنی وقیل لثمان خلون منہ حکاہ الحمیدی عن ابن حزم ورواہ مالک وعقیل ویونس بن یزید وغیرہم عن الزہری عن محمد بن جبیر بن مطعم۔ ونقل ابن عبد البر عن اصحاب التاریخ انہم صححوہ وقطع بہ الحافظ الکبیر محمد بن موسیٰ الخوارزمی ورجحہ ابوالخطاب بن دحیۃ ....وقیل لعشرخلون منہ نقلہ ابن دحیۃ ......وقیل لثنتی عشرخلت منہ نص علیہ ابن اسحاق......وھذا ھو المشہور عند الجمہور۔ وھکذا فی البدایۃ والنہایۃ (۲۴۲/۲) **نبی کریم ﷺ سوموار کے دن ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے لیکن تاریخ میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے ۱۷، ۱۲، ۱۰، ۸ اور ۲۲ ربیع الاول کے مختلف اقوال ہیں۔**

کا مشورہ دیا تو جب آپ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر تھے تو واپسی کا کیا معنیٰ[1]؟ اور اگر نبوت ملنے کے بعد مانیں تو معراج کے سفر کا کیا مطلب[2]؟ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے کیا معنیٰ؟[3] غار ثور میں تین دن کے قیام کی[1] کیا غرض تھی؟

---

[1] - عن أبي بكر بن أبي موسى، عن أبي موسى، قال: " خرج أبو طالب إلى الشام وخرج معه رسول الله صلى الله عليه وسلم في أشياخ من قريش فلما أشرفوا على الراهب هبطوا فحلوا رحالهم فخرج إليهم الراهب وكانوا قبل ذلك يمرون به فلا يخرج إليهم ولا يلتفت قال: وهم يحلون رحالهم فجعل يتخللهم حتى جاء فأخذ بيد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: هذا سيد العالمين، هذا رسول رب العالمين، هذا يبعثه الله رحمة العالمين، فقال له أشياخ من قريش: وما علمك بذلك؟ قال: إنكم حين شرفتم من العقبة لم يبق شجر، ولا حجر، إلا خر ساجدا ولا تسجد إلا لنبي وإني أعرفه بخاتم النبوة، أسفل من غضروف كتفه مثل التفاحة ثم رجع فصنع لهم طعاما ثم أتاهم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم في رعية الإبل قال: أرسلوا إليه فأقبل وعليه غمامة تظله قال: انظروا إليه غمامة تظله، فلما دنا من القوم وجدهم قد سبقوه إلى فيء الشجرة فلما جلس مال فيء الشجرة عليه قال: انظروا إلى فيء الشجرة مال عليه، فبينما هو قائم عليه وهو يناشدهم أن لا تذهبوا به إلى الروم فإن الروم إن رأوه عرفوه بالصفة فقتلوه، فالتفت فإذا هو بسبعة نفر قد أقبلوا من الروم فاستقبلهم فقال: ما جاء بكم؟ قالوا: جئنا فإن هذا النبي خارج في هذا الشهر فلم يبق طريق إلا بعث إليه ناس وإنا بعثنا إلى طريقه هذا، فقال لهم الراهب: هل خلفتم خلفكم أحدا هو خير منكم؟ قالوا: لا، قالوا: إنما أخبرنا خبره فبعثنا إلى طريقك هذا، قال: أفرأيتم أمرا أراده الله أن يقضيه هل يستطيع أحد من الناس رده؟ قالوا: لا، قال: فبايعوه فبايعوه وأقاموا معه قال: فأتاهم الراهب فقال: أنشدكم الله أيكم وليه؟ قال أبو طالب: فلم يزل يناشده حتى رده وبعث معه أبو بكر، بلالا وزوده الراهب من الكعك والزيت۔(**مستدرک علی الصحیحین ۲/۶۷۲، دار الکتب العلمیہ بیروت۔ سنن ترمذی ۶/۱۹، دار الغرب الإسلامي–بیروت**)

[2] - أخرج الطبرانی عن ابن عباس رضی الله عنہ سمعت رسول اللّٰہا یقول لما أسری بی انتہیت الی سدرة المنتہی فاذا نبعتہا امثال القلال ، أخرج مسلم والترمذی والنسائی وابن مردویۃ عن ابن مسعودصقال : لما اسری برسول الله صلی الله علیہ وسلم فانتہی الی سدرة المنتہی ، والیہ ینتہی ما یصعد بہ ، وفی لفظ والیہا ینتہی ما یہبط بہ من فوقہا حتی یقبض ---الخ وأخرج ابن مردویہ عن انسص ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم لما انتہی الی سدرة المنتہی رأی فراشا من ذہب یلوذبہا۔(**در منثور ۹/۲۱۶**)

بخاری شریف کی روایت ہے: ثم انطلق بی حتی انتہی بی الی السدرة المنتہی۔(**بخاری شریف ۱/۵۱**)

[3] - وأخرج ابو سعید فی شرف'' المصطفیٰ'' ورویناه فی فوائد الخلعی من طریق عبید الله بن عائشۃ منقطعا لما دخل النبی صلی الله علیہ وسلم المدینۃ جعل الولائد یقلن : طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع وہو سند معضل ولعل ذلک کان فی قدومہ من غزوة تبوک۔(**فتح الباری ۷/۲۶۱**)

غزوات اور سرایا کی تفصیل کی کیا ضرورت؟[2] اور اپنے پیچھے مدینہ میں نائب بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟[3]

وقد روینا بسند منقطع فی الحلبیات قول النسوۃ لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع فقیل کان ذلک عند قدومہ فی الہجرۃ وقیل عند قدومہ من غزوۃ تبوک۔

(فتح الباری ۸/۱۲۹)

زاد المعاد میں ہے: فلما دنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المدینۃ خرج الناس لتلقیہ وخرج النساء والصبیان والولائد یقلن: طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ------------وجب الشکر علینا ما دعا للہ داعی وبعض الرواۃ یہم فی ہذا ویقول انما کان ذلک عند مقدمہ الی المدینۃ من مکۃ وہو وہم ظاہر لأن ثنیات الوداع انما ہی من ناحیۃ الشام لا یراہا القادم من مکۃ الی المدینۃ ولا یمر بہا الااذا توجہ الی الشام۔

(زاد المعاد ۳/۵۵۱)

[۱] - عن عمر بن الخطاب رضي اللہ عنہ ذُکر عندہ أبوبکر فبکی، وقال: وددْتُ أن عملي کلہ مثلُ عملہ یوماً واحداً من أیامہ، ولیلۃً واحدۃ من لیالیہ۔أما لیلتہ: فلیلۃ سار مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی الغار، فلما انتہیا إلیہ قال: واللہ لا تدخلہ حتی أدخل قبلک، فإن کان فیہ شيء أصابني دونک، فدخل فکسحہ، ووجد في جانبہ ثُقباً، فشق إزارہ وسدہا بہ، وبقي منہا إثنانِ فألقمہا رجلیہ، ثم قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ادخل، فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ووضع رأسہ في حجرہ ونام، فلُدِغَ أبوبکر في رجلہ من الجحر ولم یتحرک مخافۃ أن ینتبہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فسقطتْ دموعُہ علی وجہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: ما لک یا أبا بکر؟ قال: لُدغتُ فداک أبي وأمي، فتفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذہب ما یجدہ، ثم انتقض علیہ، وکان سببَ موتہ۔وأما یومہ: فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارتدت العربُ، وقالوا: لا نؤدي زکاۃً، فقال: لو منعوني عِقالاً لجاہدتُہم علیہ۔ فقلت: یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تألَّفِ الناسَ وارفق بہم، فقال لي: أجبَّارٌ في الجاہلیۃِ وخوَّارٌ في الإسلام؟ إنہ قد انقطعَ الوحيُ وتم الدینُ أینقص وأنا حي۔(مشکوٰۃ المصابیح ۲/۵۵۶، رقم: ۶۰۳۴)

[۲] - جس قتال وجہاد میں رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت کی ہو اس کو علماء سیر کی اصطلاح میں غزوہ کہا جاتا ہے، اور جس قتال وجہاد میں رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت نہیں کی بلکہ کسی کو امیر مقرر فرما کر صحابہ کی جماعت کو قتال وجہاد کے لئے بھیجا ہو اس کو سریہ اور بعث کہتے ہیں۔(کشف الباری فی شرح البخاری، کتاب المغازی ص،۷۳جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ، ص۶۷)

[۳] - عن سعد، قال: خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علي بن أبي طالب رضي اللہ عنہ في غزوۃ تبوک فقال: یا رسول اللہ أتخلفني في النساء والصبیان فقال: «أما ترضی أن تکون مني بمنزلۃ ہارون من موسی غیر

ایک سوال یہ بھی ہو گا کہ کیا نبی علیہ السلام اپنی مبارک دنیاوی حیات میں ہر جگہ حاضر ناظر تھے یا بعد وفات کے بھی ہر جگہ حاضر ناظر ہیں؟ اگر حیات میں مانیں تو مذکورہ سوالات ہوں گے اور اگر وفات کے بعد مانیں تو آپ ﷺ کی صرف روح مبارک کو حاضر ناضر مانیں گے یا روح مع الجسد دونوں کو؟ اگر دونوں کو تو اس کا مطلب کیا ہے کیونکہ جسم نظر آنے والی اشیاء میں سے ہے وہ تو ہر کسی کو نظر آتا پھر کیا ہر ایک کو اب بھی صحابی کا درجہ دو گے ؟ اور اگر صرف روح مبارک کو مانیں تو اس کی بنیاد قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ہے فمن الدعیٰ فعلیہ الدلیل؟ کیونکہ دین حضور ﷺ کی وفات پر مکمل ہو چکا ہے۔[1] اور حضور ﷺ کی حیات فی القبر کا عقیدہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے پھر جب آپ ﷺ قبر مبارک میں تشریف فرماہیں تو ہر جگہ حاضر ناظر کیسے؟

(مسئلہ حیات النبی ﷺ فی القبر آگے مستقل عنوان کے تحت مذکور ہے)

حالانکہ خود حق جل و علیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ اسوقت نہیں تھے،[2] آپ فلاں جگہ نہیں تھے[3] وغیرہ اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی حضرت علی المرتضیٰ سے فرمایا جب کہ انہوں نے حضور

أنه لا نبي بعدي۔(مسند ابی داؤد الطیالسی،۱/ ۱۸۰ دار ہجر، مصر۔جامع معمر بن راشد،۱۱/ ۲۲۶، طبع مجلس علمی پاکستان)

[1]-اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي عرضيت لكم الاسلام ديناء(سورۃ المائدہ آیت ۳)

[2]-وما كنت لديهم اذ يلقون اقلامهم ايهم يكفل مريم ۔(سورۃ آل عمران، آیت ۴۴)

[3]-وما كنت لديهم اذ يختصمون ،(سورۃ آل عمران، آیت ۴۴)

وماكنت بجانب الغربي اذ قضينا الى موسى الامر وما كنت من الشاهدين،(سورۃ القصص، آیت ۴۴)

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے حکم سے ایک متہم کو قتل نہیں کیا تھا کہ "الشاهد یری مالا یری الغائب "[1] اور امت کے فوت شدگان کی نماز جنازہ میں حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دعا کی "اللهم اغفر لی حینا ومیتنا وشاهدنا وغائبنا "[2] اگر حضور ہر جگہ ہوتے تو غائبنا کیوں کہتے کیونکہ اس صورت میں تو حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے کوئی غائب اور پوشیدہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے علاوہ امت کے اکابریں جو راسخ فی العلم اور بڑے درجے کے علماء تھے ان کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہر جگہ ہر وقت حاضر وناظر ہیں۔[3] اور یہ

---

[1]- عن علي، قال: قلت: يا رسول الله، إذا بعثتني أكون كالسكة المحماة أم الشاهد يرى ما لا يرى الغائب؟ قال: " الشاهد يرى ما لا يرى الغائب۔(مسند احمد ،الرسالة ۲/۶۳۔ وأخرجه البخاري ۱/۱۷۷ عن عبيد، والبزار (۶۳۴)، وأبو نعيم ۷/۹۳، وأبو الشيخ في "الأمثال" (۱۵۶)من طريق أبي كريب كلاهما عن يونس بن بكير عن محمد بن إسحاق عن إبراهيم بن محمد بن علي عن أبيه عن جده بأطول مما هنا. وهذا إسناد حسن متصل وقد صرح ابن إسحاق بالتحديث عند البخاري)

[2]-اللهم اغفرلحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا ---------الخ (مستدرک حاکم ،کتاب الجنائز باب ادعية صلوٰة الجنازه،۱/۶۸۴،رقم۱۳۶۶،دار لمعرفة بیروت)

[3]-امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں : فاما الحالتان كان يجوز فيها الاجتهاد فی حیات النبی ﷺفی حال غيبتهم عن حضرته۔(احکام القرآن للجصاص،باب فی طاعة اولی الامر،۳/۱۷۹،دار احیاء التراث العربی بیروت)
فقیہ احناف علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں : وقد مات من الصحابة خلق كثير وهم غائبون عنه۔(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب صفوف علی الجنائز،۸/۱۱۹،۲۲۔دار احیاء التراث العربی بیروت)
شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں : آں حضرت صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنی دوسری بیٹی حضرت رقیہ کے فوت ہونے کے وقت حاضر نہ تھے ۔(کیونکہ جنگ بدر کے سفر پر مدینہ منورہ سے ۸۰ کلو میٹر کی دوری پر تھے)۔(تاریخ مدینہ ترجمہ جذب القلوب الی دار المحبوب،ص۱۷۵)
فرزند ارجمند شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ فرماتے ہیں: انبیاء مرسلین رالوازم از علم غیب و شنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدرات ثابت کنند۔(تفسیر عزیزی ،سورۃ البقرۃ

عقیدہ رکھنا ایک قسم کی بے ادبی ہے جسے بھولے لوگ حضور ﷺ کی عظمت اور شان سمجھ بیٹھے ہیں۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ آپ روضۂ اطہر میں استراحت فرما ہیں، اور دنیا بھر کے مشتاقانِ زیارت وہاں حاضری دیتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں اور کائنات کی ایک ایک چیز آپ کی نظر میں ہے، بداہتِ عقل کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں، چہ جائیکہ یہ شرعاً درست ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کو کسی دوسری شخصیت کے لئے ثابت کرنا غلط ہے۔

حضرت اقدس شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اپنے رسالہ "تحصیل البرکات بہ بیان معنی التحیات" میں (جو کتاب المکاتیب والرسائل میں اڑتیسواں رسالہ ہے) "**السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اگر گویند کہ خطاب مر حاضر را بود، و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں مقام نہ حاضر است بس توجیہ ایں خطاب چہ باشد؟ جوابش آنست کہ چوں ورود ایں

،۱/۵۵)انبیاء کرام کے لئے علم غیب اور ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کی صفات ثابت نہیں کی جا سکتیں کیونکہ یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔

[1] ۔رضاخانی مفتی احمد یار گجراتی لکھتا ہے: تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر چھپ کر گھر میں جو کام کئے جاتے ہیں نگاہ مصطفیٰ سے وہ بھی پوشیدہ نہیں۔(جاء الحق وزھق الباطل المعروف فیصلہ مسائل، بحث علم غیب ۱/۲۷، نعیمی کتب خانہ گجرات)

اور مولوی محمد عمر اچھروی لکھتا ہے: زوجین کے جفت کے وقت بھی آپ ﷺ حاضر وناظر ہوتے ہیں۔(مقیاس حنفیت، حصہ حاضر ناظر، ص ۲۸۲، انشاء پریس اردو بازار لاہور)

کلمہ دراصل یعنی در شبِ معراج بصیغہ خطاب بود، دیگر تغیرش ندادند وبرہماں اصلی گزاشتند۔ ودر شرح صحیح بخاری میگوید کہ صحابہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصیغہ خطاب میگفتند وبعد از زمانِ حیاتش ایں چنین میگفتند السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،نہ بلفظ خطاب۔[1]

ترجمہ:... ”اگر کہا جائے کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام میں حاضر نہیں، پس اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اصل میں یعنی شبِ معراج میں یہ کلمہ صیغۂ خطاب کے ساتھ وارد ہوا تھا، اس لئے اس کو اپنی اصل حالت پر رکھا گیا، اور اس میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔ اور صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صیغۂ خطاب کے ساتھ سلام کہتے تھے اور آپ کے وصال کے بعد ”السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ “کہتے تھے، خطاب کا صیغہ استعمال نہیں کرتے تھے۔

اور مدارج النبوۃ باب پنجم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص وفضائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وازاں جملہ خصائص ایں را نیز ذکر کردہ اند کہ مصلّی خطاب میکند آنحضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقول خود السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وخطاب نمی کند غیر اورا۔ اگر مراد بایں اختصاص آں داشتہ اند کہ سلام بر غیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخصوص واقع نہ شدہ است پس ایں معنی موافق است بحدیثے کہ از

---

[1] ۔ تحصیل البرکات بہ بیان معنی التحیات ص:۱۸۹۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ آمدہ است۔۔۔۔۔۔ واگر مراد ایں دارند کہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود غیبت از خصائص است، نیز وجہے دارد۔ووجہ ایں میگویند کہ چوں دراصل شبِ معراج درود بصیغۂ خطاب بود کہ از جانب رب العزت سلام آمد بر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ازاں ہم بریں صیغہ گزاشتند۔ ودر کرمانی شرح صحیح البخاری گفتہ است کہ صحابہ بعد از فوت حضرت السلام علی النبی میگفتند، نہ بصیغۂ خطاب، واللہ اعلم۔

ترجمہ:..."اور علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں ایک یہ بات ذکر کی ہے کہ نمازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر خطاب کرتا ہے، آپ کے سوا کسی دوسرے کو خطاب نہیں کرتا۔ اگر خصوصیت سے علماء کی مراد یہ ہے کہ نماز میں سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا خصوصیت کے ساتھ کسی دوسرے کے لئے واقع نہیں ہوا تو یہ مضمون اس حدیث کے موافق ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔اور اگر علماء کی مراد یہ ہو کہ غائب ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے تو یہ بات بھی ایک معقول وجہ رکھتی ہے، اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ چونکہ دراصل شبِ معراج میں دُرود صیغۂ خطاب کے ساتھ تھا کہ حضرت رب العزت کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا گیا، اس لئے بعد میں اسی صیغہ کو برقرار رکھا گیا۔اور کرمانی شرح صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ کرام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد "السلام علی النبی" کہتے تھے، صیغۂ خطاب کے ساتھ نہیں کہتے تھے، واللہ اعلم۔[1]

---

[1] ۔مدارج النبوۃ باب پنجم ج ۱/ ۱۶۵۔

حضرت شیخ محدث دہلوی قدس سرہ کی ان عبارتوں سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب تسلیم کرتے ہوئے سلام بصیغۂ خطاب کی توجیہ فرماتے ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شیخ رحمہ اللہ سے پہلے کے علماء بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر وناظر کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔

اور علماء احنافؒ نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

شیخ عبد الرشید ابوالفتح ظہیر الدین الولوالجیؒ المتوفیٰ ۵۴۰ھ فرماتے ہیں:

تزوج امراۃ ولم یحضر شاھد فقال تزوجتک بشھادۃ اللہ ورسولہ یکفر لانہ یعتقد بان النبی ﷺ یعلم الغیب اذ لا شھادۃ لمن لا علم لہ ومن اعتقد ھذا فقدکفر۔[1]

کسی شخص نے عورت سے نکاح کیا اور وہاں گواہ موجود نہیں تھے پس کہا میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا ہے اور گواہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بنایا ہے، کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس نے یہ اعتقاد رکھا کہ حضور ﷺ عالم الغیب ہیں۔ کیونکہ جسے علم نہ ہو اس کی گواہی نہیں ہوتی۔

[1] ۔ فتاویٰ الولوالجیہ باب النکاح۔

اس طرح دیگر فقہائے احناف نے اس بات کی تصریح کہ ہے نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں، یہ خاصہ خداوندی ہے۔[1]

عقیدہ حیات النبی صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

جیسا کہ ماقبل میں ہم نے اس عقیدہ کے متعلق اشارہ کیاہے بد قسمتی سے بعض خود کو حنفی کہنے والے اس عقیدہ میں بھی اعتدال پر نہ رہ سکے کچھ نے حد سے تجاوز کیا اور نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو ہر جگہ پر حاضر ناظر سمجھنے لگے اور بعض نے بہت تفریط سے کام لیتے ہوئے عقیدہ بنالیا کہ نعوذ باللہ حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو قبر مبارک میں بھی حیات حاصل نہیں ہے، ہم ذیل میں اس عقیدے کی اصلیت اور احناف کا درست اور واضح مذہب پیش کریں گے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اپنی قبر شریف میں حیات ہونا اور حیات کے تمام لوازم کے

---

[1] -علامہ قاضی خان فرماتے ہیں: رجل تزوج امراة بغیر شہود فقال الرجل للمراة خدائے را وپیغمبر را گواہ کردیم قالو یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعلم الغیب ، (فتاویٰ قاضی خان ،ص۸۸۳ ،مطبوعہ نولکشور)صاحب بحر الرائق علامہ ابن نجیم الحنفی فرماتے ہیں:وفی الخانیہ والخلاصہ لو تزوج بشھادة اللہ ورسولہ لاعتقادہ ان النبی صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لعلم الغیب ۔(بحر الرائق ،۱۱۸/۳)اور علامہ شامی لکھتے ہیں :تزوج امراة بشھادة اللہ ورسولہ لم یجز ،بل قیل یکفر ۔(درالمختار ،۲۱/۳)اور شیخ عبد الحی لکھنویؒ لکھتے ہیں: اعتقاد اینکہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر وناظر وعالم خفی وجلی در ہر وقت وہر آن است اعتقاد شرک است(مجموعۃ الفتاویٰ علی ھامش خلاصۃ الفتاویٰ، ۲ / ۳۳۱، ط، امجد اکیڈمی لاہور)

ساتھ متصف ہونا برحق اور قطعی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے،[1] خیر القرون سے لے کر چودہ صدیوں تک اس مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف وافتراق نہیں تھا بلکہ تمام اکابر امت نے اپنی اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے انداز میں اس مسئلہ کو واضح فرمایا، یہاں تک کہ اکابر اسلاف میں سے بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل رسائل تصنیف فرمائے اور ثابت کیا کہ حیات انبیاء کا مسئلہ بالکل واضح، بے غبار اور امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جس طرح شہداء کرام کی حیات قرآن کریم سے ثابت ہے، اسی طرح حضرات انبیاء کرام کی حیات بھی بطور دلالت النص قرآن کریم سے ثابت ہے، لیکن ناس ہو تو خودرائی وخودروی اور اسلاف بیزاری کا کہ اس نے تحقیق کے نام پر جہالت، اور سنت کے نام پر بدعت کو رواج دیا، جس کی وجہ سے نام نہاد محققین نے جہاں دوسرے بعض اجماعی مسائل سے انحراف کیا وہاں اس عقیدہ کا بھی انکار کردیا۔

---

[1] - نحن نومن ونصدق بانہ صلی االلہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتاکلہ الارض والاجماع علی هذا۔ (القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع للامام شمس الدین السخاوی الشافعی (م:۹۰۲ ھ)، الباب الرابع، السادسۃ رسول اللہ حی علی الدوام، ص۱۶۷: مطبعۃ الانصاف بیروت۔ لبنان الطبعۃ الثانیہ ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء) ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین بھی نہیں کھاتی اور اس عقیدہ پر اہل حق کا اجماع ہے۔
"وأجمعواعلی أن الحیاۃ شرط فی العلم والقدرۃ والإرادۃ والرؤیۃ والسمع وأن من لیس بحی لایصح أن یکون عالماً قادراً مریداً سامعاً مبصراً وهذا خلاف قول الصالحی وأتباعہ من القدریۃ۔ (الفرق بین الفرق للامام عبدالقاهر بن طاهر بن محمد البغدادی (م۴۲۹ھ) الفصل الثالث فی بیان الأصول التی اجتمع علیها أهل السنۃ... الخ، ص۳۳۷، ط: دارالمعرفۃ بیروت)

قرآن کریم احادیث نبویہ میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت صراحتا ،اشارتاً، دلالتاً اور اقتضاءً ملتاہے، ان سب کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی اس لئے اختصار کے پیش نظر چند آیات واحادیث کے ذکر پر اکتفا کیاجاتا ہے:

ولا تقولوا لمن يقتل فی سبيل االله أموات بل أحياء ولكن لاتشعرون۔ [1]

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں نہ کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کرسکتے۔

ولو أنهم إذظلموا انفسهم جاء وک فاستغفر وا االله واستغفر لهم الرسول لوجدوا االله تواباًرحیماً۔ [2]

---

[1] ۔سورۃ البقرہ آیت ۱۵۴۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء أفضل من الشهداء۔(فتح الباری بشرح صحیح البخاری للحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی:۸۵۲ھ)، کتاب الأنبياء، باب قول الله تعالیٰ:واذ کر فی الکتب مریم...الخ-۶/۴۸۸،ط:رئاسۃ ادارات البحوث العلمیۃ بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ)
یعنی جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہوجاتی ہے کہ انبیاء کرامؑ زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے ہر حال میں افضل ہیں اس لئے اس آیت سے ان کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

[2] ۔سورۃ النساء آیت ۶۴۔ چنانچہ "تفسیر قرطبی" میں ہے:
عن عليؓ قال: قدم علينا أعرابي بعد ما دفنا رسول صلى االله عليه وسلم بثلاثة ايام، فرمى بنفسه على قبر رسول االله صلى االلهعليه وسلم وحثا على رأسه من ترابه، فقال: قلت يا رسول االله فسمعنا قولک ووعيت عن االله فوعينا عنک وكان فيما انزل االله عليک ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم ...الآية وقدظلمت نفسی وجئتک تستغفر لی فنودی من القبر انه قد غفر لک ۔(تفسیر القرطبی الجامع لأحکام القرآن:۵/۲۶۶،۲۶۵، ط:الھیئۃ المصریۃ العامۃ الکتاب۔۱۹۸۷ء)یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ

اوراگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔

عن أنس رضی االله عنہ قال: قال رسول صلی االله علیہ وسلم: الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلون۔ رواہ أبویعلیٰ و البزار ورجال أبی یعلیٰ ثقات۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حضرات) انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے ابو یعلیٰ اور مسند بزار نے اور ابو یعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حیاۃ النبی صلی االله علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الأنبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً کما قام عندنا من الأدلۃ فی ذلک وتواترت(بہ) الأخبار۔[1]

کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر آیت کریمہ کے حوالے سے مغفرت طلب کی، روایت ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی "انہ قد غفرلک"

[1] ۔ مسند أبی یعلیٰ:۳/۳۷۹-۳-رقم الحدیث ، مجمع الزوائد، کتاب فیہ ذکر الأنبیاء، باب ذکر الأنبیاء:۸/۲۱۱ ط: دار الکتب العلمیہ ۔لسان المیزان للعلامۃ ابن حجر العسقلانیؒ، حرف الحاء حسن بن قتیبۃ ،رقم السلسلۃ۱۰۳۳۔ ۲/۲۴۶ ، ط:ادارۃ تالیفات اشرفیۃ ملتان۔ مسند بن مالک:۳۴۱۲۔ط: مؤسسۃ علوم القرآن بیروت۔ الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۷ھ /۱۹۸۸ء۔ فتح الباری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم -۶/۴۸۷۔ ط: رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ مکۃ المکرمۃ۔ المطالب العالیۃ للعلامۃ ابن حجر العسقلانیؒ، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حیاۃ الأنبیاء فی قبورھم:۸/۴۱۴۔ رقم الحدیث:۳۴۰۴ ط: مؤسسۃ قرطبۃ مکۃ المکرمۃ۔ الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۸ھ /۱۹۹۷ء۔ الأحادیث الصحیحۃ للألبانی:۲/۱۸۷ رقم الحدیث:۶۲۱، ط: المکتب الاسلامی۔ الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۵ھ /۱۹۸۵ء)

ترجمہ... ''آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبروں میں حیات ہونا ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک دلائل واخبار درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔''

عن أبي الدرداء رضی االله عنه قال: قال رسول االله صلی االلهعليه وسلم: أكثروا الصلوٰة عليّ يوم الجمعة فإنه مشهود تشهد ه الملٰئكة وإن أحدا لن يصلی عليّ إلاعرضت عليّ صلوٰته حتی يفرغ منها، قال: قلت: وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت، إن االله حرم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبيّ االله حی يرزق۔ [2]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت انے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لئے کہ جمعہ کے دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے پڑھتے ہی اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اور موت کے بعد؟ فرمایا: اور موت کے بعد بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے زمین پر اس بات کو کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔

---

[1] ۔الحاوی للفتاویٰ فی الفقہ وعلوم التفسیر، أنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء: ۲/۱۴۷۔

[2] ۔سنن ابن ماجہ، آخر کتاب الجنائز، (قبیل ابواب ماجاء فی الصیام) باب ذکر وفاتہ۔۔۔الخ ص۱۱۸، ط: قدیمی کراچی۔الترغیب والترھیب ،کتاب الجمعۃ ،باب الترغیب فی صلوۃ الجمعۃ : ۲/۱۱۔رقم الحدیث۱۶، ط: مصطفی البابی الحلبی مصر۔ ۱۳۵۲ھ /۱۹۳۳ء، نیل الأوطار، باب فضل یوم الجمعۃ وفضل الصلوۃ علی رسول اللہ ﷺ فیہ ،رقم الحدیث: ۳۔۱۰/۲۸۱، ط: مصطفی البابی الحلبی مصر۔شرح الصدور، باب نتن المیت...الخ، ص۳۱۶، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اکابر امت احناف رحمہم اللہ کا اس بارے میں عقیدہ:

فضل اللہ بن حسین تورپشتی الحنفی المتوفیٰ ۶۳۰ھ

واز اں جملہ آنست کہ بداند کہ زمین کالبد وے را نخورد و بوسیدہ نشود و چوں زمین ازوے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد وحشر وے و دیگر انبیاء چنیں باشد و حدیث درست است کہ ان اﷲحرم علی الأرض أجساد الأنبیاء(الانبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون) واول ہمہ پیغمبر ما برخیزد از قبر مبارک۔[1]

ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہیئے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہو گا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہو گی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہو گا اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر انبیا علیہم السلام کا حشر ہو گا اور صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں، انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر مبارک سے ہمارے پیغمبر اٹھیں گے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ المتوفیٰ۔۱۰۱۴ھ:

”فمن المعتقد المعتمد أنہ صلی اﷲ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ کسائر الأنبیاء فی قبورهم وهم أحیاء عند ربهم وأن لأرواحهم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی کما کان فی الحال الدنیوی فهم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون ۔[2]

[1] ۔المعتمد فی المعتقد باب:۲، فصل:۴۔ ص:۱۰۷ط: مطبع مظہر العجائب مدراس ۱۲۸۸ھ

[2] ۔شرح الشفاء لعلی القاری علیٰ ھامش نسیم الریاض فی شرح الشفاء، ۳/۴۹۹۔

ترجمہ: عقیدہ جس پر پورا اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے جیسا کہ دنیاوی حالت میں تھا پس وہ قلوب کے اعتبار سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔

علامہ ابن ہمامؒ المتوفیٰ ۶۸۱ھ:

تستقبل القبر بوجهک، ثم تقول: السلام علیک أیها النبی ورحمة االله وبرکاته ...وذلک انه علیه الصلاةالسلام فی القبر الشریف المکرم علی شقه الأیمن مستقبل القبلة...ثم یسئل النبی ا الشفاعة فیقول: یارسول االله! أسألک الشفاعة یارسول االله! أسألک الشفاعة ولیکثردعائه بذالک فی الروضة الشریفة عقیب الصلوات وعند القبر ویجتهد فی خروج الدمع فانه من أمارات القبول وینبغی أن یتصدق بشئ علی جیران النبی ثم ینصرف متباکیاً متحسراً علی فراق الحضرة الشریفة النبویة والقرب منها"۔ [1]

ترجمہ... تم حضور انور کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللہ عرض کرو اور یہ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں... پھر حضور انور اسے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یارسول اللہ ! میں شفاعت کے لئے سوال عرض کرتا ہوں...روضہ شریفہ میں درود شریف کے بعد... اور قبر کے پاس پھر کثرت سے دعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے، کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اور چاہئیے کہ روضہ اطہر

[1] ۔ فتح القدیر للامام کمال الدین محمد بن عبدالواحد الحنفی (م: ۶۸۱ھ)، کتاب الحج، مسائل منثورة، المقصد الثانی فی زیارة قبر النبی ﷺ: ۳/۱۸۴، ۱۸۰ط: دار الفکر الطعبة الثانیہ ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء۔

کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے، پھر روتا ہوااور آپ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو۔

شارح بخاری علامہ عینیؒ المتوفیٰ ۸۵۵ھ:

ومذہب أهل السنتوالجماعة أن فی القبر حیاةً وموتاً فلابد من ذوق الموتتین لکل أحد غیر الانبیاء ۔[1]

ترجمہ... پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں، ماسوائے انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔

علامہ عینیؒ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"فانهم لایموتون فی قبورهم بل هم أحیاء۔[2]

ترجمہ... "یقیناانبیاء کرامؑ اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے بلکہ وہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔

اور عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں: **من انکر الحیاة فی القبر ،وهم المعتزلہ۔**[3]

کہ جو قبر میں حیات کا منکر ہے وہ معتزلہ میں سے ہے۔

امام ملا علی قاریؒ المتوفیٰ ۱۰۱۴ھ:

ان الأنبیاء أحیاء فی قبورهم فیمکن لهم سماع صلوٰة من صلی علیهم۔[1]

---

[1] ۔ عمدۃ القاری، کتاب المناقب ،باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذاً خلیلًا ۔۔۔:۱۶/۱۸۵ رقم الحدیث:۱۶۷، ط: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، بیروت۔

[2] ۔المرجع السابق۔

[3] ۔ عمدۃ القاری فی شرح البخاری، ۱۶/ ۱۸۵۔ ط، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

ترجمہ... بے شک انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ المتوفیٰ ۱۰۵۲ھ:

حیات انبیاء متفق علیہ است، ہیچ کس رادروے خلافے نیست۔[2]

ترجمہ... حضور انور ﷺ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں سے) اس میں اختلاف نہیں۔

علامہ شرنبلالیؒ المتوفیٰ ۱۰۶۹ھ:

"ومما هو مقرر عند المحققين أنه صلى االله عليه وسلم حى يرزق ممتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات ...ينبغى لمن قصد زيارة النبى صلى االلهعليه وسلم أن يكثر الصلوة عليه فإنه يسمعها وتبلغ إليه "۔[3]

ترجمہ... محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انور ﷺ زندہ ہیں، آپ کو رزق بھی ملتاہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ ان کاموں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں ...جو شخص حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرنے کے لئے آئے، اُسے چاہئے کہ کثرت سے درود عرض

---

[1] ۔ مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ، الفصل الثانی: ۳/ ۴۵۴، رقم الحدیث: ۱۳۶۱ وایضا: باب الصلوۃ علی النبی ﷺ وفضلھا: ۳/ ۱۲، رقم الحدیث: ۹۲۴، ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

[2] ۔ اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعۃ، الفصل الثانی ۱/ ۶۱۳، ط: نول کشور لکھنؤ، الھند ۱۹۰۷ھ۔

[3] ۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ۱/ ۲۸۳۔ المکتبۃ العصریہ۔

کرے، کیونکہ آپؐ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں، اور (دور سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

علامہ طحطاویؒ المتوفیٰ ۱۲۳۳ھ:

(فانہ یسمعها) أی إذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم (وتبلغ إلیہ) أی یبلغها الملک إذا کان المصلی بعیداً۔ [1]

ترجمہ... آپؐ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جارہاہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جارہاہو۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ المتوفیٰ ۱۲۵۲ھ:

فقد أفاد فی الدر المنتقیٰ أنہ خلاف الإجماع قلت: وأما مانسب إلی الإمام الأشعری إمام أهل السنۃ والجماعۃ من إنکار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح بہ فی کتبہ وکتب أصحابہ خلاف مانسب إلیہ بعض أعدائہ لأن الأنبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام أحیاء فی قبورهم وقد أقام النکیر علی افتراء ذلک الإمام العارف أبوالقاسم القشیری۔ [2]

ترجمہ... پس تحقیق در منتقی میں ہے کہ (حضورا کی رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد اب بھی حقیقتاً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا) خلاف اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام اہل سنت امام اشعریؒ کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے وہ آنحضرت کی وفات کے بعد آپ کی حقیقتاً رسالت کے بقا کے منکر تھے، یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے کیونکہ ان کی اور ان کے تلامذہ کی کتابوں میں صراحتاً اس کے برعکس مذکور ہے، دراصل یہ بات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کردی ہے، کیونکہ انبیاء

---

[1] - حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح- فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم :۴۰۵۔

[2] - رد المحتار علی الدر المختار لابن عابدین الشامی، کتاب الجهاد، باب المنعم وقسمتہ، مطلب فی ان رسالتہ صلی اللہ علیہ وسلم باقیۃ بعد موتہ، ۴/۱۵۱، ط: ایچ ایم سعید کراچی۔۱۴۰۶ھ۔

علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس افتراء کے خلاف امام عارف ابو القاسم قشیریؒ نے اپنی کتاب میں رد کیا ہے۔

مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ الحنفی المتوفیٰ ۱۲۹۷ھ:

والأحسن أن يقال ان حياته صلى االله عليه وسلم لايتعقبها موت بل يستمرحياً والأنبياء أحياء فى قبورهم۔[1]

ترجمہ... بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی، بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ "

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ المتوفیٰ ۱۳۲۳ھ:

"قبر کے پاس... انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔[2]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ المتوفیٰ ۱۳۴۶ھ:

ان نبى االله صلى االله عليه وسلم حيّ فى قبره كماأن الأنبياء عليهم السلام أحياء فى قبورهم۔[3]

ترجمہ... آنحضرت ااپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ المتوفیٰ ۱۳۶۲ھ:

---

[1] ۔حاشیۃ البخاری مولانا احمد علی السہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ): ۱/۵۱۷ ط: قدیمی کراچی۔

[2] ۔فتاویٰ رشیدیہ، کتاب البدعات، اہل قبور سے استعانت ۱۴۲، ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

[3] ۔ بذل المجھود فی حل أبي داوٗد للشیخ الامام خلیل احمد السہارنپوریؒ، کتاب الصلوٰۃ، باب التشھد ۔ ۲/۱۱۷، ط: معھد الخلیل بھادر آباد کراچی۔

بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیاہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں کذا فی المواھب ف:یہ تکلیفی نہیں بلکہ تلذّذ کے لئے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے...الخ۔ آپ ﷺ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔[2]

اب تک کی گزارشات سے واضح ہوا ہو گا کہ قرآن وسنت اور اکابر علماء امت کی تصریحات کی روشنی میں یہ عقیدہ اہل سنت کا بنیادی عقیدہ ہے اس سے دور حاضر کے بعض تجدد پسندوں کے علاوہ کسی نے اختلاف نہیں کیاوہاں یہ بھی واضح ضروری ہوتا ہے کہ اکابرین دیوبند نے "المہند علی المفند" مرتب فرماکر امت کے سامنے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ علماء دیوبند اہل سنت کا عقیدہ اس سلسلہ میں بھی وہ ہی ہے جو اسلاف امت احنافؒ کا تھا۔

عقیدہ علم غیب

حنفی ہونے کا دعویٰ کرنے والے بعض لوگ نبی کریم ﷺ کی شان میں حد سے آگے بڑھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں نبی کریم ﷺ کو شریک بنا

---

[1] ۔نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ا۔للعلامۃ حکیم الامۃ مولانااشرف علی التھانویؒ فصل نمبر ۲۷:آپ کے عالم برزخ میں تشریف رکھنے کے متعلق بعض احوال وفضائل میں روایت :۳عن انسؓ بن مالک ص ۲۳۸،ط:مطبع انتظامی کانپور۔

[2] ۔التکشف عن مہمات التصوف،للعلامۃ حکیم الامت اشرف علی التھانویؒ،التوسل،ص۴۱۵، ط:کتب خانہ مظہری کراچی

لیا۔[1] اور جو اصلی حنفیت اور مذہب اہلسنت والجماعت پر کاربند رہے ان کو کو گستاخ اور بے ادب قرار دے دیا یعنی جو آدمی بھی صفتِ عالم الغیب کو خاصہ باری تعالیٰ سمجھے اور غیر خدا کے لئے اس کے اثبات سے روکے تو یہ لوگ اسے نبی کا گستاخ اور نبی کے علم کا دشمن سمجھتے ہیں اور اس پر کفر کا فتویٰ لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔[2] حالانکہ جیسے معبود ہونا خاصہ باؔری ہے اور غیر خدا سے اس کی نفی ان کی توہین نہیں، رب العالمین ہونا خدا کی صفت خاصہ ہے اور غیر خدا سے اس کا انکار اس کی توہین نہیں۔ اسی طرح صفتِ عالم الغیب کو خاصہ باری تعالیٰ سمجھنا اور غیر سے اس کی نفی کرنا توہین نہیں بلکہ ضروری اور لازمی عقیدہ ہے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> **والانبیاء علیہم السلام فضل اللہ بعضہم علی بعض فالفاضل لا محالۃ لہ کمال یختص بہ لیس فی المفضول و لیس المفضول بناقص ثم لیعلم انہ یجب ان ینفی عنہم صفات الواجب جل مجدہ من العلم بالغیب و القدرۃ علی خلق العالم الی غیر ذلک و لیس ذلک بنقص .**[3]

---

[1] ۔بریلوی مولوی عبدالرشید محدث اعظم کا شاگرد لکھتا ہے: آپ کو اللہ نے کل علم غیب عطا فرمایا تھا (رشد الایمان، ص۹۹)اور بریلوی مولوی فیض احمد اویسی لکھتا ہے: اللہ تعالیٰ نے کلی علم غیب عطا فرمایا (علم المناظرہ، ص۶)

[2] ۔اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے علم غیب سے منکر کو کافر فرمایا ہے۔(فہارس فتاویٰ رضویہ، ص۸۷۴)جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں وہ درحقیقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے محمد ہونے کے قائل نہیں (مقیاس حنفیت، ص،۳۱۲) حضور علیہ السلام کے علم غیب شریف کا انکار قرآن پاک کے خلاف اور کفر ہے۔(مسئلہ علم غیب ص۱۸)

[3] ۔ تفہیماتِ الٰہیہ: ج۱ ص۲۴ بحوالہ ازالۃ الریب: ص۹۷۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بعض پر فضیلت دی ہے تو لامحالہ فاضل اس کمال سے مختص ہو گا جو مفضول میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں مفضول کی کچھ توہین نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی اچھی طرح جاننی چاہیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے ان صفات کی نفی کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں؛ مثلاً علم غیب اور جہان کو پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ اور اس میں ان کی کوئی تنقیص بھی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ عقیدہ کہ "نبی ہر شے کو جانتا ہے اور تمام مغیبات کا نبی کو علم ہوتا ہے" کن لوگوں کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام کا پہلا واقعہ دیکھیے کہ جب سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی تھی تو زید بن اللُّصَیت نے کہا تھا: يَزْعَمُ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ يَأْتِيهِ خَبَرُ السَّمَاءِ وَهُوَ لَا يَدْرِي أَيْنَ نَاقَتُهُ[1]. کہ محمد ﷺ کہتے ہیں کہ آسمانوں کی خبریں ان کے پاس آتی ہیں اور انہیں یہ پتا نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟

یہی بات شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات میں لکھی ہے کہ:

در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت گم شد و در نیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم و نمیداند کہ ناقہ او کجا است۔[2]

---

[1] ۔سیرت ابن ہشام: ج ۲ ص ۲۱۔

[2] ۔اشعۃ اللمعات، ج ا ص ۳۹۲ کتاب الصلوۃ۔ باب صفۃ الصلوۃ۔

معلوم ہوا کہ یہ کافر کی سوچ تھی کہ جو نبی ہو اسے ہر ہر شے کا علم ہونا چاہیے۔ تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس (زید بن اللُّصَیت) کا جواب "ہاں" میں نہیں دیا بلکہ فرمایا: وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَعْلَمُ إِلَّا مَا عَلَّمَنِي اللهُ وَقَدْ دَلَّنِي اللهُ عَلَيْهَا ، فَهِيَ فِي هَذَا الشِّعْبِ ، قَدْ حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزِمَامِهَا. کہ مجھے تو جو خدا بتاتا ہے بس میں وہی جانتا ہوں اور یہ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ فلاں گھاٹی میں درخت سے اس اونٹنی کی نکیل پھنسی ہوئی ہے۔

اسی طرح احناف کا درست اور صحیح عقیدہ کی علم غیب خاصہ خداوندی ہے مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ اس میں شریک نہیں ہے[1] قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے[2] اسی طرح خود امام ابو حنیفہؒ سے اس کی تصریح

[1] - قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۔ سورۃ النمل:۶۵

اس کے تحت تفسیر کبیر میں ہے امام رازی فرماتے ہیں: اعلم انہ تعالیٰ لما بین انہ المختص بالقدرۃ فکذلک بین هو المختص بعلم الغیب۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے: ان اللہ هو الذی یعلم الغیب وحدہ۔ تاویلات اہل السنۃ میں ہے: انما یعلم الغیب الا اللہ۔ تفسیر روح المعانی میں ہے: و بالجملۃ علم الغیب بلا واسطۃ کلاً او بعضاً مخصوص باللہ جل و علا لا یعلمہ احد من الخلق اصلا۔ تفسیر بحر محیط میں ہے: دلت الآیۃ علی انہ تعالیٰ هو المنفرد بعلم الغیب۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری لکھتے ہیں: ذکر الحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۱ قدیمی)

[2] - إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ۔ (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۳۳۲ ، ج ۲ ص ۱۰۳۰ و ص ۱۰۶۵، صحیح مسلم: ج ۲ ص ۷۴) صحیح البخاری کے حاشیہ میں ہے: انما انا بشر لا اعلم الغیب و بواطن الامور کما هو مقتضی الحالۃ البشریۃ (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۳۳۲. حاشیہ نمبر ۱) اور صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۰۳۱ پر بین السطور یوں لکھا ہے: یعنی کواحد منکم لا اعلم الغیب و بواطن الامور کما هو مقتضی

موجود ہے کہ خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو اس سے اپنی بقیہ زندگی کے بارے میں پوچھا تو اس نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا خلیفہ نے بہت سے معبروں سے تعبیر پوچھی لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ فرشتہ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔[1]

بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا تحقیق اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے۔[2]

الحالۃ البشریۃ انما احکم بالظاہر۔ **علامہ خفاجی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:** انما انا بشر لا اعلم الغیب۔ **(ج ۴ ص ۲۶۱ ادارہ تالیفات اشرفیہ) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:** قولہ انما انا بشر مثلکم: ای کواحد من البشر فی عدم علم الغیب۔ **(فتح الباری باب کذا حدیث نمبر ۶۹۶۷) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:** انما انا بشر یعنی کواحد منکم لا اعلم الغیب و بواطن الامور کما ہو مقتضی الحالۃ البشریۃ انما احکم بالظاہر۔ **(عمدۃ القاری کتاب النکاح باب شہادۃ الزور فی النکاح حدیث نمبر ۶۹۶۷) علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:** انما انا بشر مشارک لکم فی البشریۃ بالنسبۃ لعلم الغیب الذی لم یطلعنی اللہ علیہ۔ **(ارشاد الساری باب من قضی لہ بحق اخیہ فلا یاخذہ حدیث نمبر ۷۱۸۱) علامہ علی بن احمد العزیزی لکھتے ہیں:** قالہ ردًّا علی من زعم ان من کان رسولاً فانہ یعلم کل غیب حتیٰ لا یخفیٰ علیہ المظلوم۔ **(السراج المنیر ج ۲ ص ۴۳ بحوالہ الزالۃ الریب)**

[1] ۔**سورۃ لقمان آیت ۳۴۔**

[2] ۔ہو اشارۃ الیٰ ہذہ الایۃ فان ہذہ العلوم الخمسۃ لا یعلمها الا اللہ۔ **(تفسیر مدارک، ۲/۲۲۴، قدیمی)**

جو لوگ حنفی ہونے کے دعویدار ہیں ان کے لئے امام اعظمؒ کا یہ فیصلہ کافی ہونا چاہیئے اور ضد وہٹ دھرمی کو چھوڑ کر غلط عقیدے سے توبہ کرنی چاہیئے اور حق کو قبول کرکے اس پر فخر کرنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ حضرات فقہاء حنفیہ[1] اور پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ عالم الغیب ہونا خاصہ خداوندی ہے[2] یہاں تک کہ ان حضرات نے کسی غیر کو باری تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج تک کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل حق کا ہمیشہ ساتھ عطاء فرمائے۔

---

[1] -قال فی الخانیہ : رجل تزوج امراۃ بغیر شہود فقال الرجل للمراۃ **خدائے را وَ پیغمبر را گواہ کردیم** قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہﷺ یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔(**الفتاویٰ الخانیہ علی ہامش الھندیہ،۳/۵۷۶،رشیدیہ**۔و ھکذا فی خلاصۃ الفتاویٰ،مع زیادۃ **وفرشتگان را گواہ کردم،۴/۳۷۵،رشیدیہ**۔وھکذا فی البزازیہ **بحوالہ مجموعۃ الفتاویٰ،۱/۳۷۹،۳۴۵**) یکفر بفعل ھذا لانہ اعتقد ان رسول اللہﷺعالم الغیب ۔(**المحیط البرہانی،الفصل السابع فی الشھادۃ فی النکاح ،۳/۲۹**)یکفر لاعتقادہ ان النبیﷺیعلم الغیب ۔(**البحر الرائق ،کتاب النکاح ۳/۱۵۵،۹۴**)وھو کفر محض لانہ اعتقد ان رسول اللہ ﷺ یعلم الغیب وھذا کفر (**مجمع الانہر،شروط صحۃ النکاح،۱/۳۲۰**)

[2] -من یعتقد ان محمداﷺیعلم الغیب فھو کافر لان علم الغیب صفۃ مختصۃ باللہ (**مرآۃ الحقیقت ص ۱۸،بحوالہ جواہر التوحید ص،۲۶۷**)ان حضرات سے متادبانہ گزارش ہے کہ جو پیران پیر صاحب کے نام کی گیارہویں مزے لے لے کر کھاتے ہیں کہ خدارا ذرا ان حضرات کے فتوؤں کو بھی دیکھیں کہیں تمہی ان کی زد میں نہ آجاؤ۔

عقیدہ مختار کل:

نام نہاد حنفیوں نے دین متین میں ایک اختراع یہ بھی کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو کائنات کی ہر ہر چیز پر کامل اختیار حاصل ہے[1] اور جو تصرف کرنا چاہیں وہ اس پر قادر ہوتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس کو بھی عقیدہ بنالیا کہ انبیاء کے علاوہ اولیاء کو بھی اختیارات حاصل ہیں ۔ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ حنفیت[2] اور اہلسنت

---

[1] ۔حضور ساری خدائی کے مالک ہیں۔(تفسیر القرآن الحکیم،احمد یار خاں حاشیہ نمبر ۷ ص ۵۸۹)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحکم پروردگار کونین کے مالک ومختار ہیں،زمان کے مالک، آسمان کے مالک،اپنے رب کی عطائے جمیم کے مالک،جہاں کے مالک،رب کے احکام کے مالک،انعام کے مالک۔
(سلطنت مصطفی احمد یار خاں ص ۱۴)
حضور کارخانہ الٰہی کے مختار کل ہیں...جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔(الامن والعلی ص ۲۳۰)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نفاذ تصرف کی دونوں وجہیں حاصل ہیں ا۔ حقیقت عطائیہ تو وہ ضرور مالک جناں بلکہ مالک جہاں ہیں۔ ۲۔ذاتی: لیجیے تو مالک حقیقی کے ماذون مطلق گمراہ بددین وہ جو دونوں شقیں باطل جانے۔(الامن والعلی ص ۲۶۲)

[2] ۔اولیائے کرام سیاہ وسفید کے مالک ہوتے ہیں۔آفتاب وماہتاب پر ان کا حکم جاری ہونا کیا بات ہے، آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک ان کے نائب،ان کے وارث،ان کے فرزند،ان کے دل بند غوث الثقلین غیث الکونین حضور پر نور سیدنا ومولانا ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر سلام عرض نہ کرے۔(الامن والعلی ص ۱۲۳)
سیدنا عبدالقادر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں برملا زمین سے بلند کرہ ہوا پر مشی فرماتے ہیں۔ہوا میں چلتے ہیں۔جب نیا سال،نیا مہینہ،نیا ہفتہ،نیا دن آتا ہے،سورج پہلے مجھے سلام کرتا ہے،ایک ایک گھڑی کے حال کی مجھے خبر کرتا ہے۔(الامن والعلی ص ۱۲۴)
اولیائے کرام کے پیش نظر عرش تا تحت الثریٰ ہوتا ہے۔(ملفوظات ص ۶۵)

والجماعت کے موافق نہیں ہے۔کیونکہ اگر مختار کل کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات میں پسندیدہ شخصیت ومنتخب اور چنے ہوئے سرکات طیبہ ﷺ ہیں تو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں،اور اگر مختار کل کا یہ معنیٰ ہے کہ تمام قسم کے اختیارات خدا نے نبی پاک ﷺ کو دے دیئے ہیں چاہے وہ تکوینی ہوں یا تشریعی ہوں تو یہ بات اسلام کے متصادم ہے۔

اور قرآن کریم[1]،احادیث نبویہ[2] اور اکابر امت[3] نے اس عقیدے کی نفی کی ہے اور ہر چیز پر کامل اختیار اللہ رب العزت ہی کے لئے ہونے کی تصریح کی ہے۔

رزق پانا، مدد ملنا، مینہ برسانا، بلا دور ہونا، زمین کا قیام، زمین کی نگہبانی، خلق کی موت، خلق کی زندگانی، بندوں کی حاجت رسانی سب اولیاء کے وسیلے اولیاء کی برکت، اولیاء کے ہاتھوں اولیاء کی وساطت سے ہے۔(الامن والعلی ص ۳۶)

[1] - وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُم بِاٰيَةٍ وَّلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔(سورۃ انعام آیت ۳۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ اگر ان مشرکوں کا تم سے منہ پھیرنا تم کو شاق گزرے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلو یا آسمان میں کوئی زینہ، پھر کوئی معجزہ نشانی لے آؤ۔اگر اللہ کو منظور ہو تو سب کو ہدایت پر کر دے۔پس ہرگز نہ ہو،نادانوں میں سے۔مقصد یہ ہے کہ ایمان و ہدایت دینا ہمارا کام ہے۔ان کے ایمان نہ لانے پر ہرگز رنج و غم نہ کرو۔ان کے ایمان لانے کی امید چھوڑ دو۔

[2] - حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف پانچ دن پہلے بروز جمعرات ظہر کے وقت طبیعت کچھ پرسکون ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا:غسل کے بعد محبوب رب العالمین، رحمۃ اللعالمین،امام الانبیاء والمرسلین غریبوں کے مداوا و غم گسار ہیں جو بے سہاروں کے سہارا ہیں۔آج کمزوری کا یہ عالم ہے کہ حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما کے سہارے چل رہے ہیں۔وہ آپ کو تھام کر مسجد میں تشریف لائے۔ظہر کی نماز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ کر پڑھائی۔نماز کے

بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا آخری خطبہ ہے۔ آپ نے خطبے کے آخر میں فرمایا: حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے۔ جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور میں نے وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: نسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے یہاں کے لیے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔" (مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ، کتاب الام، امام شافعی اور طبقات ابن سعد جز الوفات بسند حسن یہ روایت مروی ہے۔ بخاری شریف باب ذکر من ورع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعصاہ وسیفہ)

حضرت زین العابدین و مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سر منبر فرمایا: وانی لست احرم حلالا ولا احل حرام۔ میں خود حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا ہوں یعنی حلال وہی ہے جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے۔ جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ یہ روایت مسلم شریف جلد دوم ۲۹۰، ابو داؤد شریف کتاب النکاح حدیث نمبر ۲۲۳، اور مسند احمد جلد نمبر ۳، ص ۱۲ اور ص ۶۱ میں بھی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: انہ لیس لی تحریم ما احل اللہ۔ یعنی جس کو اللہ نے حلال کیا ہے، میرے اختیار میں نہیں کہ میں اسے حرام کر دوں۔ (مسند احمد جلد نمبر ۳، ص ۶۱، ص ۱۲)

3۔ علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں: والنبی ﷺ اعرف الخلق باللہ تعالیٰ فلم یکن یسئل ربہ تفسیر حکم من الاحکام الشرعیۃ ولا یفعل فیھا الا ما یؤمر بہ۔ (شفاء السقام، ص ۱۷۷)

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: معجزہ اللہ کا فعل ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیونکہ قانون قدرت کو توڑنا انسانی اختیار سے باہر ہے۔ (تکمیل ایمان، ص ۱۱۱)

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: مذہب صحیح آنست کہ امر تشریع مفوض بہ پیغمبر نمی زیر آنکہ منصب رسالت وایلچی گری نہ نیابت خدا و نہ شرکت در کار خانہ خدائے آنچہ کہ خدائے تعالیٰ حلال و حرام فرماید آنزا رسول تبلیغ می کند و بس از طرف خود اختیار ندارد۔

(تحفہ اثنا عشریہ، باب نمبر ۴، ص ۱۷۰)

شیخ شرف الدین یحیٰ المنیریؒ فرماتے ہیں: انبیاء کرام اور اولیاء سب کا یہ حال ہوا کہ انہوں نے بہت سی چیزیں چاہیں کہ وہ ہو جائیں لیکن وہ نہ ہوئیں، اور بہت سے ایسے کام جنہیں انہوں نے چاہا کہ وہ نہ ہوں وہ ہو گئے۔[1]

قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر مزار بنانا:

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادات سے یہ بات ثابت ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے یعنی ان پر بیٹھنا، ان کو روندنا یا وہاں پر پیشاب وغیرہ کرنا اور اسی طرح قبور مسلمین کی شکل وصورت کو بگاڑنا یہ سب چیزیں شریعت میں ممنوع ہیں، قبر مسلمان می عالم برزخ میں ایک رہائش گاہ ہے اس کا احترام ضروری ہے، رہی یہ بات کہ قبروں کو پختہ کرنا ان پر مزارات اور قبے بنانا یہ بھی احترام میں داخل ہے تو اس کے بارے میں حکم صرف اتنا ہی ہے کہ قبروں کو پختہ اور ان پر مزار بنانا نہ تو ان کے احترام نیں داخل ہے اور نہ ہی ان چیزوں کے نہ ہونے سے قبور کی کوئی توہین لازم آتی ہے، اور نہ ہی اسمیں کوئی شرعی فائدہ یا نقصان ہے۔ اگر قبور پر یہ چیزیں بنانے میں کوئی شرعی مصلحت یا دینی فائدہ ہوتا تو فخر دوعالم حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس سے منع نہ فرماتے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر وان یبنیٰ علیہ ان یقعد علیہ ۔[2]

---

[1] ۔مکتوبات دوصدی، مکتوب نمبر ٦٧، ٦٠۔

[2] ۔ صحیح مسلم، ١/ ٣١٢، سنن ترمذی، ١/ ١٢٥۔ مشکاۃ المصابیح، ١/ ١٤٨۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح امام محمد ؒ فرماتے ہیں:

ولا نریٰ ان یزاد علی ما خرج منہ ان یجصص او یطین الیٰ ان قال ان النبی ﷺ نھی ان تربیع القبور وتجصیصھا ،قال محمد بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ ۔[1]

ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ اس پر ڈالی جائے،اور ہم مکروہ سمجھتے ہیں کہ قبر پختہ بنائی جائے یا اس پر لیپائی کی جائے (آگے فرمایا) اس لئے کہ جناب نبی کریم ﷺ قبر کو مربع بنانے سے اور اس کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے،یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کا قول ہے۔

حضرات احناف رحمہم اللہ کے اقوال دیکھئے اور خود کو حنفی کہنے والوں کے اعمال بھی دیکھئے کہ کس طرح ان حضرات کے خلاف عمل کر کے خود کو ان کا نام لیوا ابتلا رہے ہیں۔[2] اسی طرح احناف کے مسلم فقہاء کرام نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قبور پر مزارات بنانا جائز نہیں ہے[3]، ملاحظہ فرمائیے:

---

[1] ۔کتاب الآثار لامام محمدؒ، ص ۹۶۔۹۷۔

[2] ۔مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب لکھتے ہیں: اب تو رجسٹری ہو گئی کہ خود امام مذہب امام ابو حنیفہؒ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔(جاء الحق، ص ۲۷۴)

[3] ۔**علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں** : ویکرہ تجصیص القبر و تطینہ وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ-----وعن ابی حنیفۃ انہ یکرہ ان یبنیٰ علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذالک لما مر من الحدیث آنفا ۔**(غنیۃ المستملی ،ص ۵۹۹)** وفی الفتاویٰ الھندیہ: ویسنم القبر قدر الشبر ولایربع ولا یجصص ویکرہ ان یبنیٰ علی القبر۔**(فتاوی الھندیہ**

امام قاضی خان الحنفی ؒ فرماتے ہیں:

ولایجصص القبر لما روی عن النبیﷺ انه نهی عن التجصیص والتفضیض و عن البناء فوق القبر ۔[1]

قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے قبر کے پختہ بنانے اور چاندی کے پانی سے جڑاؤ کرنے اور قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایاہے۔

مزارات اولیاء پر عرس میلہ لگانا:

آج کل ہمارے دیار میں جس کو لوگ عرس کہتے ہیں یعنی کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر سالانہ ان کی قبر پر اجتماع اور میلہ قائم کرنا یہ فعل بھی بدعت مستحدثہ ہے اور یہ نام بھی اس کے لئے مستحدث ہے۔ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کیا قرون مابعد میں بھی صدیوں تک اس کا کہیں نام نشان نہ تھا بہت آخر زمانہ میں ایجاد ہوا ہے۔[2] اب مسئلہ عرس میں دو حیثیت قابل بیان ہیں اول نفس خالی

۱۷۶/۱) وفی الشامیه : اما البناء فلم ارمن اختار جوازه۔(الدرالمختار مع الرد ،۱۰۱/۱) مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے عمارت بنانے کے جواز کو پسند کیاہو۔

[1] ۔فتاویٰ قاضی خان ۹۲/۱۔

[2] ۔مشہور یہ ہے کہ جس طرح اور تمام بدعات کی اصل ابتداء بری نہ تھی بعد میں لوگوں کی تعدی نے اس کو گناہ اور بدعت بنادیا اس طرح اس میں بھی ابتدائی واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سالانہ غیر معین تاریخوں میں پیران کلیر حضرت مخدوم صاحب کے مزار پر حاضر ہوتے تھے اس کی خبر سن کر آپ کے مرید بھی آنے لگے پھر لوگوں نے اس خیال سے کہ حضرت شیخ کے ساتھ حاضری کے شائقین کو دشواری ہوتی ہے کوئی دن بھی متعین کر دیا یہاں تک بھی منکرات کا ہجوم نہ تھا پھر بعد میں جہلاء ومبتدعین نے اس کو اس حد تک طول دیدیا کہ سیکڑوں محرمات اور افعال شرک وکفر کا تماشہ گاہ ہوگیا اور پھر یہ رسم سب جگہ چل پڑی۔(امداد المفتین، ص ۹۰)

ازدیگر منکرات دوسرے مع بدعت ومنکرات مروجہ۔سوامر اول کا جواب تو یہ ہے کہ اتفاقی طور پر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر بلاتعین تاریخ وبلااہتمام خاص کے اگر ہمیشہ سالانہ بھی جایا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ منکرات مروجہ وہاں نہ ہوں:

کمااخرج ابن جریر عن ابراہیم قال کان النبی صلّی اللہ علیہ وسلم یات قبور الشہداء باحدعلی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔[1]

ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما سے اس قسم کے عمل متعلق شاہ عبدالعزیزصاحبؒ اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں:

کہ تعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز بذکر انتقال ایشاں می باشد نہ دارالعمل بدارالثواب والاہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح ونجات است۔[2]

لیکن کسی معین تاریخ کو ضروری سمجھنا یا ایسا عمل کرنا جس سے دیکھنے والوں کو ضروری معلوم ہو اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کی صورت پیدا ہو یہ ایک بدعت سیئہ ہے جس کا اصول اسلام میں کہیں نام نہیں۔امر دوم۔یعنی عرس مصطلح مع منکرات مروجہ جو لوازم عرس سے سمجھتے جاتے ہیں اسکا جواب ظاہر ہے کہ ایک تو فی نفسہ بدعت اور پھر اس میں بہت سے مشرکانہ افعال اور بدعات اور امور قبیحہ

---

[1] ۔مناسک ملا علی القاری، ص ۵۲۵۔ تاریخ مدینۃ المنورہ لابن شیبۃ ۱ / ۱۳۲، طبع مدینۃ المنورۃ۔

[2] ۔مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۶۹ جلد ۳۔

کا ارتکاب لازم آتا ہے اس لئے بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہو گیا جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔چراغ جلانا جو بنص حدیث حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[1]

۲۔چادر وغیرہ چڑھانا جس کی فقہاء اجازت نہیں دیتے۔[2]

۳۔ان کے نام کی نذر و منت ماننا اور مٹھائیاں تقسیم کرنا جو مطلقاً حرام ہے۔[3]

۴۔سماع (قوالی) کی مجلس جس کی حرمت و ممانعت پر فقہاء نے صراحت کی ہے۔[4] نیز شیخ ابن حجر مکی کا رسالہ **کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع** بھی اس

---

[۱] - عن ابن عباسؓ قال : لعن رسول االله ﷺ زائرات القبور' والمتخذين عليها المساجد والسراج' (**ابوداوٗد' کتاب الجنائز' باب فی زیارۃ النساء القبور ۲/۱۰۵ ط سعید**)

[۲] - وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والأولیاء کرہہ الفقہاء۔ (**العقود الدرية في تنقيح الفتاویٰ الحامدية ۲/۳۲۴**)وقال العيني: إن إلقاء الرياحين ليس بشيء۔ (**فيض الباري شرح صحيح البخاري، کتاب الجنائز / باب الجريد على القبر ۲/۴۸۹**)فی الاحکام عن الحجۃ ،تکرہ الستور علی القبور۔ (**رد المحتار مع الشامی، ۲/۳۳۸، ایچ ایم سعید**)

[۳] - قال فی البحر الرائق الاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولایشتغل بہ الذمہ وانہ حرام بل سحت ولایجوزلخادم الشیخ اخذہ ولااکلہ ولا التصرفیہ بوجہ من الوجوہ۔(**طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص۵۷۱، کتاب الصوم، باب مایلزم الوفاء بہ من منذور الصوم الخ، البحرالرائق ص ۲/۲۹۸، مطبوعہ الماجدیہ کویٹہ، کتاب الصوم، قبیل باب الاعتکاف**)

[۴] - ومن ذلک ما أحدث من السماع والرقص والوجد، وفاعل ذلک ساقط المرؤۃ، مردودالشہادۃ، عاص اللہ ولرسولہ،وہو محظور لقول االله عز وجل : ومن الناس من یشتری لہو الحدیث لِیُضلّ عن سبیل االله (لقمان ۶) قال الامام احمدؒ الفناء ے نبت النفاق فی القلب، أما مالکؒ فإنہ نہی عن الفناء وعن استماعہ، وکان أبو حنیفۃؒ یکرہ الغناء، ویجعل سماع الغناء من الذنوب، وقال الشافعی: الغناء ہو مکروہ یشبہ الباطل، ہذا قول العلماء فیہ وکراہیتہم لہ، مع تجریدہ عن غیرہ من المحرمات من حضور النساء، والمردان،والدفوف،

موضوع میں کافی شافی ہے۔خود صوفیائے کرام کی ایک جماعت کثیرہ نے بھی اس کو ناجائز فرمایاہے ملاحظہ ہو رسالہ حق السماع لحکیم الامۃ مولانا التھانویؒ۔

۵۔فاحشہ عورتوں کا گانا اور اجتماع جو بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے۔[1]

۶۔عام عورتوں کا قبروں پر جمع ہونا جس پر حدیث میں ارشاد ہے لعن اللہ زَوَّارَاتِ القبور۔[2]

۷۔قبروں پر مجاورین کا بیٹھنا جس کی ممانعت حدیث وفقہ کی معتبر کتاب میں منصوص ہے۔[3]

والشبابات،۔(الأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع للامام الحافظ جلال الدین السیوطی، ص۵۰، مکتبۃ القرآن، القاہرۃ)

[1] -المرجع السابق۔

[2] - عن أبي ہریرۃ رضي اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن زوّارات القبور، قال أبو عیسیٰ: ہٰذا حدیث حسن صحیح۔ وقد رأی بعض أہل العلم أن ہٰذا کان قبل أن یرخص النبي صلی اللہ علیہ وسلم في زیارۃ القبور، فلما رخّص دخل في رخصتہ الرجال والنساء، وقال بعضہم: إنما کرہ زیارۃ القبور في النساء لقلۃ صبرہن وکثرۃ جزعہن۔(جامع الترمذي، أبواب الجنائز / باب ماجاء في کراہیۃ زیارۃ القبور للنساء ۱/۲۰۳، کراچی)

[3] - شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: وَمِنَ الْمُحَرَّمَاتِ : الْعُكُوفُ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَالْمُجَاوَرَةُ عِنْدَه،، وَسَدَانَتُہ،، وَتَعْلِيقُ السُّتُورِ عَلَيْہِ، كَأَنَّہ، بَيْتُ اللّٰہِ الْكَعْبَۃُ . قبر پر اعتکاف، اس کی مجاوری، اس کی خدمت، اس پر خانہ کعبہ بیت اللہ کی طرح چادریں چڑھانا، سب حرام کام ہیں۔"(اقتضاء الصراط المستقیم، ص : ۲۶۷)نیز فرماتے ہیں : فَأَمَّا الْعُكُوفُ وَالْمُجَاوَرَةُ عِنْدَ شَجَرَةٍ أَوْ حَجَرٍ، تِمْثَالٍ أَوْ غَيْرِ تِمْثَالٍ، وَالْمُجَاوَرَةُ عِنْدَ قَبْرِ نَبِيٍّ أَوْ غَيْرِ نَبِيٍّ، أَوْ مَقَامِ نَبِيٍّ أَوْ غَيْرِ نَبِيٍّ، فَلَيْسَ ہٰذَا مِنْ دِينِ الْمُسْلِمِينَ، بَلْ ہُوَ مِنْ جِنْسِ دِينِ الْمُشْرِكِينَ. کسی شجر و حجر یا مورتی وغیرہ کے پاس اعتکاف کرنا اور کسی نبی یا غیر نبی کی قبر یا نبی یا غیر نبی کے مقام پر مجاور بن کر بیٹھنا، ان کاموں کا مسلمانوں کے دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ مشرکین کے دین سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔"(اقتضاء الصراط المستقیم، ص:۳۶۵)

۸۔ قبر کا طواف کرنا جو قطعاً حرام ہے۔[1]

۹۔ سجدہ کرنا جو بقصد عبادت ہو کفر صریح ہے اور بلا قصد عبادت انتہائی درجہ کا گناہ کبیرہ ہے۔[2]

اگر تتبع کیا جاوے تو اس قسم کے سیکڑوں گناہوں کا مجموعہ ان اعراس میں مشاہد ہو جائے گا ۔**وفی ذلک کفایۃ لمن ارادالھدایۃ**۔ اسی لئے جس وقت سے اس قسم کے عرس کا رواج ہوا ہے اسی وقت سے علماء امت بلکہ خود صوفیائے کرام جو

---

[1] - ولا یطوف أی لا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنفیۃ فیحرم حول قبور الأنبیاء والأولیا ء ولا عبرۃ بما یفعلہ العامۃ الجہلۃ ولو کانوا فی صورۃ المشائخ والأولیاء والعلماء ۔ ہکذا فی البحر والنہر ۔(**المسلک المنقسط فی المنسک المتوسط علی لباب المناسک المعروف بمناسک ملا علی قاری، فصل ولیغتنم أیام مقامہ بالمدینۃ المشرفۃ ص۲۹۱، ط: المطبعۃ المیریۃ مکۃ المکرمۃ ۱۳۱۹ھ**)

[2] -عن ابن عباس قال: نہی رسول اللهﷺ زائرات القبور، والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔(**سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ أن یتخذ علی القبر مسجدا، النسخۃ الہندیۃ ۱/۷۳، دارالسلام رقم: ۳۲۰، مسند أحمد بن حنبل ۱/۲۲۹، رقم: ۲۰۳۰، ۲۶۰۳، ۲۹۸۶، ۳۱۱۸**)

لایجوز مایفعلہ الجہال بقبور الأنبیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد إلیہا ومن الاجتماع بعد الحول ولیتمونہ عرساً الخ۔(**تفسیر مظہری، زکریا۔ فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۱۷۶، تبلیغ الحق ۸۰۷، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۱/۲۱۹ ڈابھیل ۳/۲۴۳**)

والتواضع لغیر الله حرام کذافی الملتقط (ہندیہ ص ۴۰۴/۵)وان سجد للسلطان بنیۃ العبادۃ اولم تحضرہ النیۃ فقد کفر کذا فی جواہر الا خلاطی (*ہندیہ : ۳۶۸/۵، ط کوئٹہ*) وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ أثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفروان علی وجہ التحیۃ لا وصارأثما مرتکباً لکبیرۃ وفی الملتقط التواضع لغیر الله حرام ۔ انتھی

(**الدر المختار مع الرد: ۶/۳۸۴، ۳۸۳، ط سعید**)

محقق ہوئے ہیں اس سے منع کرتے رہے ہیں[1] اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی مسائل اربعین میں فرماتے ہیں:

مقرر ساختن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسد۔لایجوز مایفعلہ الجہال بقبورالاولیاء والشہداء من السجودوالطواف حولہا واتخاذالسراج والمساجد الیہا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونہ عرساً۔[2]

عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے: کہ جاہل لوگ حضرات اولیاء و شہداء کے مزارات کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں وہ سب ناجائز ہیں یعنی ان کو سجدہ کرنا ان کے گرد طواف کرنا اور ان پر چراغاں کرنا اور ان کی طرف سجدے کرنا اور ہر سال میلوں کی طرح ان پر جمع ہونا، جس کا نام عرس رکھا جاتا ہے۔

اصول کی بات وہی ہے جو امام مالک نے فرمائی ہے مالم یکن یومئذدینا لایکون الیوم دینا۔ اس لئے جس عبادت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین کے زمانہ میں اصل نہ ہو وہ عبادت نہیں گمراہی ہے رسالہ قشیریہ میں اکابر طرق کے بہت اقوال اس کی تائید میں لکھے گئے ہیںفلیراجع ثمنہ ومثلہ فی مفتاح السنہ للسیوطی۔[3]

---

[1] - واقبح البدع عشرۃ وعد منہا طعام المیت وایقاد الشموع علی المقابر والبناء علی القبر وتزیینہ والبیوتۃ عندہ والتغنی والسماء واتخاذ الصعام للرقص واجتماع النساء لزیادۃالقبور-----الخ(بریقہ شرح طریقہ محمدیہ ،ج۱/۱۲۲)

[2] - تفسیر مظہری،۶/۶۵۔

[3] - فتاویٰ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ المعروف مائۃ مسائل ص،۱۴۰تا۱۵۲۔

قبر پر اذان دینا:

تدفین کے بعد میت کے قبر پر اذان کا ثبوت نہ تو ہمارے نبی ﷺ سے ہے نہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نہ تابعینؒ نہ تبع تابعینؒ سے ملتا ہے،[1] اس مبارک دور میں قبر پر اذان جائز نہ ہوئی بلکہ کئی صدیاں گزرنے کے بعد اسے جائز کہنے والے پیدا ہوئے۔ بڑے افسوس کی بات ہے یہ اصل قرآن و سنت سے لاعلم ہیں۔[2]

اذان ایک خاص عبادت ہے اور اس کے لئے شریعت مقدسہ میں خاص مواقع مقرر کئے گئے ہیں ان سے تجاوز کرنا حدود اللہ سے تعدی اور معصیت ہے اگر ایسی ترمیمیں جائز ہوتیں تو پھر عیدین کی نماز کے لئے بھی اذان و اقامت درست ہوتی اس مسئلے پر اہل سنت والجماعت کے تمام فقہاء کرام متفق ہیں۔

امام غرناطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومن ذلک الاذان والاقامته فی العدین قد نقل ابن عبدالبر اتفاق العلماء علی ان لا اذان ولا اقامته فیها۔[3]

---

[1] - عن ابن مسعودؓ قال: من كان مستنا فليستن بمن قد مات فإن الحي لاتؤمن عليه الفتنة أولئک أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبا و أعمقها علما و أقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على آثارهم و تمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فإنهم كانوا على الهدي المستقيم رواه رزين۔ (**مشکوٰۃ شریف، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، مکتبہ اَشرفیہ دیوبند ۱/۲۳**)

[2] - مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں: مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ (جاء الحق ص ۳۱۰) قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے (جاء الحق ص ۳۱۱)

[3] - کتاب الاعتصام جلد دوم ص ۳۱۹ ط: دار ابن جوزی للنشر والتوزیع السعودیہ

فقہائے احناف اس سے منع کرتے ہیں کیوں کہ اذان ایک عبادت ہے اور اسی موقع پر دی جا سکتی ہے جہاں سنت سے ثابت ہو۔ اسی لیے جنازہ، عیدین اور نوافل وغیرہ کے لیے بالاتفاق اذان نہیں دی جا سکتی کہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ موت کے بعد اگر اذان دی جاتی تو جنازہ کی نماز کے لیے دی جاتی مگر ایسا نہیں کیا جاتا کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ [1]

اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام:

درود شریف پڑھنا بے حد فضیلت کا عمل ہے، جس مسلمان کو اللہ تعالی جتنی توفیق دے، درود شریف پڑھ کر اپنے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے بھرنا چاہئے، اس کا کوئی خاص وقت شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے۔ انسان جس وقت چاہے اخلاص کے ساتھ نمود و نمائش کے بغیر درود شریف پڑھ سکتا ہے، لیکن ہمارے زمانے میں بعض مقامات پر اذان سے پہلے جس طرح بلند آواز سے صلوۃ و سلام پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے اور جس طرح اس کو فرض و واجب یا اذان کا لازمی جزء سمجھا جانے لگا ہے [2] یہ درود شریف نہیں، بلکہ اس کی نمائش ہے جس کا

---

[1] - ومن البدعة التی شاعت فی الہند الأذان علی القبر۔ (درر البحار، جلد،ج:۱، بحوالہ احسن الفتاویٰ ۱/۳۳۷)قال الشامي أنہ لا یسن الأذان عند إدخال المیت فی قبره کما ہو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ بأنہ بدعة: وقال: من ظن أنہ سنیة قیاساً علی ندبہا للمولود، إلحاقا لخاتمة الأمر بابتدائہ فلم یصب۔ (شامي ،کتاب الصلوٰۃ ، باب صلوٰۃ الجنازۃ ، مطلب في دفن المیت، زکریا۳/۱۴۱کراچی ۲/۳۳۵)

[2] -مولوی عطاء محمد بندیالوی استاذ البریلویہ لکھتے ہیں: اذان سے قبل اور بعد درود و سلام جائز بلکہ واجب ہے۔(قبل اور بعد اذان درود شریف کا ثبوت، ص۵۷)اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں: اذان سے

کوئی ثبوت قرآن و سنت یا صحابہؓ و تابعینؒ کے عہد مبارک میں نہیں ملتا، اس بناء پر یہ بدعت ہے[1]۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس طریقے کے بجائے مسنون طریقے پر اخلاص وادب کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا طریقہ اختیار کریں۔

قبل اور بعد درود شریف پڑھنا سنت الٰہیہ اور سنت ملائکہ ہے۔(ص،۳۸)اور فاضل بریلوی مولوی احمد رضاخان صاحب نے احکام شریعت مسئلہ نمبر ۳۹ص ۱۳۳ پر اسے بدعت حسنہ نقل کیاہے۔

[1] -(وسئل) هل الصلوة على النبى ﷺمسنونة قبل الاذان كما هى بعده؟ .... و هل ينهى عنه، وعن الصلوة على النبى ﷺقبل الاذان اولا؟ (فاجاب) بعد اسطر ....اما الصلوة و السلام على النبى ﷺبعد الاذان و الاقامة، فانهما مندوبان كما صرح به اصحابنا وما جاء به ذلک خبر مسلم و الاربعة الا ابن ماجة و فيه ايضاً ج ۱ ص ۱۳۱ فمن اتى .... معتقدا سنيته فى ذلک المحل المخصوص نهى عنه و منع منه لانه تشريع بغير دليل و من شرع بلا دليل يزجر عن ذلک و ينهى عنه۔ فائدة: قد احدث المؤذنون الصلوة و السلام على رسول الله ﷺعقب الاذان،.......... وكان ابتداء حدوث ذلک فى ايام السلطان الناصر صلاح الدين ايوب، وبامره فى مصر و اعمالها......... ولقد استفتى مشائخنا و غيرهم فى الصلوة و السلام عليه ﷺ...........۔ بعد الاذان على الكيفية التى يفعلها المؤذون، فافتوا بان الاصل سنة والكيفية بدعة۔(الفتاوى الكبرى لابن حجر الهيتميؒ ۱/ ۱۳۰،۱۲۹، طبع مكتبہ اسلاميہ)

لا كلام فى ان الصلوة و السلام على النبى ﷺعقب الاذان مطلوبان شرعا لورود الاحاديث الصحيحة .... انما الخلاف فى الجهر بهما على الكيفية المعروفة، والصواب انها بدعة مذمومة بهذا الكيفية التى جرت بها عادة المؤذنين من رفع الصوت بهما كالاذان و التمطيط و التغنى، فان ذلک احداث شعار دينى على خلاف ما عهد عن رسول الله ﷺو اصحابه و السلف الصالح من ائمة المسلمين، وليس لاحد بعدهم ذلک.......الخ

(الابداع فى مضار الابتداع، ص۷۸،۷۷، طبع مكتبہ علميہ مدينہ منورہ)

ومن ثم قال العلامة ابن حجر فى فتاويه الكبرى: من صلى على النبى ﷺقبل الاذان او قال : محمد رسول الله بعده معتقدا سنيته فى ذلک المحل ينهى و يمنع منه، لانه تشريع بغير دليل ومن شرع بغير دليل يزجر و يمنع انتهى۔ وهذا العلامة ابن حجر حكم على من صلى على النبى ﷺقبل الاذان او قال: محمد رسول الله بعده بانه شرع فى دين الله تعالى وانه يمنع من ذلک و يزجر، وما ذاک الا لقبح ما فعل۔۔۔ الخ۔

(الفتاوى الكبرى لابن حجر الهيتميؒ ۱/ ۱۳۰،۱۲۹، طبع مكتبہ اسلاميہ)

وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينة فى اوقات معينة لم يوجد ذالک التعيين فى الشريعة۔

(الاعتصام ۱/ ۳۹، طبع دار الفکر بیروت)

علامہ طحطاویؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

ومن المکروہات الصلوٰۃ علی النبی ﷺ فی ابتداء الاقامۃ ، لانہ بدعۃ۔[1]

اذان میں رسول اللہ ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا:

بلاریب جو لوگ اذان میں رسول اللہ ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنے کو ضروری خیال کرتے ہیں[2] وہ حنفیت کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ،اذان کے وقت انگوٹھے چومنے اورآنکھوں سے لگانے کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اورنہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اوربعد کے خیر القرون میں اس کاثبوت ملتاہے،اسی وجہ سے اس عمل کو بعد والے علماء نے ناجائزاوربدعت بتایاہے۔اور جن احادیث سے اس بارے میں استدلال کیاجاتاہے ان کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ سب موضوع (من گھڑت) یاانتہائی ضعیف ہیں۔

جیسا کہ امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

الاحادیث التی رویت فی تقبیل الاناملِ وجعلھاعلی العینین عندسماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم من المؤذن فی کلمۃ الشھادۃ کلھاموضوعات ۔[3]

---

[1] ۔حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۰۰، مکتبہ شیخ الاسلام، باب الاذان۔

[2] ۔بریلوی خواجہ قمر الدین سیالوی لکھتاہے: انگوٹھے چومنے سے منع کرنے والا دولت ایمان سے محروم ہے۔(ملخصًافوز المقال،۴/۴۷۹)

مفتی امین فیصل آبادی لکھتاہے: جو مسلمان نام پاک سن کر انگوٹھے نہ چومے ہو سکتاہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی بناپر دوزخ میں بھیج دے۔(البرہان،۴۸۴)

[3] ۔تیسیر المقال للسیوطی بحوالہ قاموس الفقہ ۲/ ۷۰۔

ترجمہ: وہ حدیثیں جن میں مؤذن سے کلمہ شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے وقت انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کا حکم آیا ہے وہ سب کی سب موضوع اور جعلی ہیں۔ اسی طرح ملا علی قاریؒ الحنفی فرماتے ہیں:

مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلھما عند سماع المؤذن ......وکل مایروی فی ھذا فلایصح رفعہ البتۃ۔ [1]

اسی طرح علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ نے تذکرۃ الموضوعات میں فرمایا ہے:

مسح العینین بباطن انملتی السبابتین ـــــسند فیہ مجاھیل مع انقطاعہ۔ [2]

اور امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

حدیث مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلھما عند سماع المؤذن اشھد ان محمدا رسول االلہ مع قولہ اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ رضیت بااللہربا ... ذکرہ الدیلمی فی الفردوس...... بسند فیہ مجاھیل مع انقطاعہ عن الخضر علیہ السلام ...... قال فی آخر البحث: ولا یصح فی المرفوع من کل ھذا شئ۔ [3]

اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں اور اس کی سند بھی منقطع ہے۔

مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی سننے پر ابہام کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا سنت نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا اور نہ صحابہ کرامؓ سے یہ عمل درآمد ہوا ہاں مسند فردوس دیلمی سے ایک روایت اس کے

---

[1] ۔الموضوعات الکبیر، ص۱۰۸۔

[2] ۔ تذکرۃ الموضوعات للفتنی، باب الاذان، ص۷۱، طبع دارالکتب للنشر والتوزیع بشاور، پاکستان۔

[3] ۔المقاصد الحسنہ للشمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاویؒ ص۳۸۳۔

متعلق نقل کی گئی ہے وہ روایت ضعیف ہے، بعض بزرگوں نے اس عمل کو آنکھیں نہ دکھنے کے لیے مؤثر بتایا ہے تو اگر کوئی شخص اس کو سنت نہ سمجھے اور آنکھوں کے نہ دکھنے کے لیے بطور ایک علاج کے عمل کرے تو اس کے لیے فی نفسہ یہ عمل مباح ہو گا، مگر لوگ اس کو شرعی چیز اور سنت سمجھ کر کرتے ہیں اس لیے اس کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے تاکہ لوگ التباس میں مبتلا نہ ہوں۔[1]

یہ عمل کب رائج ہوا معلوم نہیں، لیکن علامہ شامیؒ نے اذان میں اشہد ان محمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انگوٹھے چومنے کے عمل کو کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور کتاب الفردوس کے حوالہ سے ذکر کرنے کے بعد علامہ جراحی کے حوالہ سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ اس موضوع سے کوئی بھی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں اور اقامت میں انگوٹھے چومنا بے اصل اور بلا دلیل ہے اس کو سنت سمجھ کر بطور عبادت کرنا بدعت ہے[2] اس لئے اذان واقامت میں اس عمل کا التزام درست نہیں ترک لازم ہے۔

---

[1] ۔ کفایت المفتی، ج:۲ ص:۱۶۶، ط: دارالاشاعت کراچی۔

[2] ۔ مسح العینین بباطن أنملتی السبابتین بعد تقبیلهما عند سماع أشهد أن محمداً رسول الله من المؤذن - إلیٰ- لا یصح۔ (**تذکرة الموضوعات للفتنی ۱/۳۴، موضوعات ملا علی قاری:۶۴، تیسیر المقال بحوالہ قاموس الفقہ ۲/۷۰**)

وفی الشامیة (۱/۳۹۸): یستحب ان یقال عند سماع الأولی من الشهادة:صلی الله علیک یا رسول الله وعند الثانیة منها قرت عینی بل یارسول الله اللهم متضی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائدا له الی الجنة ... کذا فی کنز العباد اهـ قسهتانی ونحوه فی الفتاویٰ الصوفیة وفی کتاب الفردوس ’’من قبل ظفری إبهامه عند سماع أشهد أن محمدا رسول الله فی الاذن أنا قائده ومدخله فی صفوف الجنة وتمامه فی حواشی البحر للرملی عن المقاصد الحسنة للسخاوی وذکر ذلک الجراحی وأطال ثم قال: ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شئ۔

كذا فى كنز العباد قهستانى ونحوه فى الفتاوىٰ الصوفية وفى كتاب الفردوس من قبل ظفرى إبهاميه عند سماع أشهد أن محمداً رسول الله فى الأذان (إلىٰ قوله) وذكر ذلک الجراحى وأطال ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل ہذا شيء ۔[1]

نمازِ جنازہ کے بعد قبل از دفن دعا مانگنا:

نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا جائز نہیں، بلکہ بدعت ہے۔ خواہ صفوں میں کھڑے کھڑے کی جائے یا صفیں توڑ کر کی جائے۔ اور جو لوگ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کا التزام کرتے ہیں[2] اور صفیں توڑ کر دعا کرنے کو جائز کہتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ فقہاء کرام و محدثین عظام نے نمازِ جنازہ کے بعد مطلقاً دعا کرنے کو منع فرمایا ہے:

فى البزازيہ :لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازہ' لانہ دعا مرة' لان اكثر ہا دعاء۔[3] وفى خلاصة الفتاوى: ولا يقوم بالدعاء ففى قراء ة القرآن لاجل الميت بعد صلوة الجنازة وقبلها ۔[4] وفى البحر الرائق :لا يدعو بعد التسليم۔[5] وفى فتاوى السراجية على قاضيخان :اذا فرغ من الصلوة لا يقوم داعيا لہ۔[6] وفى جامع الرموز فصل فى الجنائز :

---

[1] ۔شامی کتاب الصلوٰۃ ، باب الاذان مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد، زکریا۲/۶۸ کراچی ۱/۳۹۸۔

[2] ۔مولوی عمر اچھروی لکھتا ہے: تم نماز جنازہ کے بعد دعا کا انکار کر کے حنفی ہو یا معتزلی جو دعا سے روکے وہ تمام زمانے سے زیادہ احمق ہے۔(مقیاس حنفیت، ص ۵۳۷)

[3] ۔بزازیہ علی ہامش الہندیہ: فصل فی الجنائز ۴/۷۹ ط کوئٹہ۔

[4] ۔خلاصۃ الفتاوی ص ۱/۲۲۵، طبع امجد اکیڈمی لاہور۔

[5] ۔البحر الرائق ص ۲/۱۸۳، طبع سعید۔

[6] ۔فتاوی السراجیۃ علی قاضی خان، ۱/۱۴۵۔

لا یقوم داعیا لہ۔[1] وفی نفع المفتی والسائل :الدعاء بعد الجنازۃ مکروہ۔[2]

وفی المرقاۃ :ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ، لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ۔[3]

اور حدیث میں جنازہ کے بعد میت کو جلدی دفن کرنے کا حکم آیا ہے۔

وعن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ ولیقرأ عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ۔[4]

میت کو دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر قبر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے اور اس وقت قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور میت کیلئے دعا کرنا جائز ہے۔ اور اسی طرح اس وقت میں ایسا وعظ کرنے کی بھی گنجائش ہے جو موت اور آخرت کی یاد دلانے کیلئے ہو، اور اس میں دوسرے منکرات اور بدعات کا ارتکاب نہ کیا جاتا ہو۔

سب سے بہتر اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد کوئی میت کے سرہانے سورۃ البقرۃ کے اوائل پڑھے اور دوسرا میت کی پائنتی (پاؤں کی طرف) سورۃ البقرۃ کے اواخر پڑھے اور باقی لوگوں کو بھی اگر یہ یاد ہوں تو یہی پڑھیں ورنہ جو بھی سورۃ یا آیات ان کو یاد ہوں وہ پڑھیں۔ انہیں سرًا یا جہرًا دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ نیز کھڑے ہونے یا بیٹھے ہونے دونوں حالتوں میں

---

[1] ۔ جامع الرموز فصل فی الجنائز ۱/ ۲۸۳، طبع ایچ ایم سعید۔

[2] ۔ نفع المفتی والسائل ص ۱۴۳، طبع کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی۔

[3] ۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ ص ۴/ ۴۶، مکتبہ امدادیہ ملتان۔

[4] ۔ مشکوۃ المصابیح مع مرقاۃ المفاتیح ۴/ ۸۱۔

پڑھنا جائز ہے۔ نیز دفن کرنے کے بعد اگرچہ قبر کے پاس بیٹھنا، دعا کرنا، سورۃ البقرۃ کے اوائل واواخر پڑھنا مستحب ہے[1] لیکن ان امور کا التزام کرنا (یعنی ان کو ضروری سمجھنا) درست نہیں ہے۔ دفن کرنے کے بعد اگر کوئی ان امور کے بغیر جاناچاہے تواس کیلئے بغیر کراہت کے جانادرست ہے۔

وعن عمرو ابن العاص قال لابنه وهو فى سياق الموت اذا أنامت فلا تصحبنى نائحة ولا نار فاذا دفنتمونى فشنوا على التراب شنا ثم اقيموا حول قبرى قدر ما ينحر جذور ويقسم لحمها حتى استأنس بكم واعلم ماذا أراجع به رسل ربى رواه مسلم۔ وفى المرقاة تحت قوله (ثم اقيموا حول قبرى) لعله للدعاء بالتثبيت وغيره وتحت قوله (حتى استأنس بكم) اى بدعائكم واذكاركم وقراءتكم واستغفاركم وقدورد فى خبر أبى داؤد انه عليه الصلاةوالسلام كان اذا فرغ من دفن الرجل يقف عليه ويقول استغفر واالله لأخيكم واسألواله التثبيت وفى رواية التثبت فانه الآن يسئل۔[2]

استشفاع(نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر مبارک پر شفاعت کی دعامانگنا):

جیسا کہ ماقبل میں ہم نے ذکر کیاہے کہ بعض حنفی کہلانے والے بہت سے مسائل میں افراط اور تفریط کا شکار ہو گئے ہیں انہی مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے

---

[1] ۔ ويستحب اذا دفن الميت ان يجلسوا ساعة عند القبر بعدالفراغ بقدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها يتلون القرآن ويدعون للميت كذا فى الجوهرة النيرة۔ قراء ة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لا تكره، ومشايخنا رحمهم الله اخذوا بقوله وهل ينتفع والمختار انه ينتفع هكذا فى المضمرات۔ **الهندية،١/١٦٦۔**

ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثا، وجلوس ساعةبعد دفنه لدعاء وقراء ة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه وفى الشامى تحت(قوله وجلوس الخ) لمافى سنن أبى داؤد"كان النبى ﷺاذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال: استغفر والأخيكم واسألو االله له التثبيت فإنه الآن يسأل" وكان ابن عمر يستحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها۔ **الدر المختار،٢/٢٣٧،٢٣٦۔**

[2] ۔ **مشكوة المصابيح مع مرقاة المفاتيح،٤/٨٠۔**

جسمیں حد اعتدال سے بڑھنے والے بھی موجود ہیں اور حد اعتدال سے اترنے والے بھی موجود ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا کہ: "یارسول اللہ! میری بخشش کی سفارش فرمائیں" استشفاع کہلاتا ہے۔ یہ عمل دلائل سے ثابت ہے۔ ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

عن علي (عليهما السلام) قال : قدم علينا أمرؤ عندما دفنّا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ثلاثة أيام فرمى بنفسه على قبر النبي عليه الصلاة والسلام وحثا على رأسه من ترابه وقال : يا رسول الله قلت فسمعنا قولك ووعيت من الله فوعينا عنك وكان فيما أنزل الله عليك) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّهَ تَوَّاباً رَحِيماً (فقد ظلمت نفسي فجئتك لتستغفر لي فنودي من القبر أنه قد غفر لك۔[1]

حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس جاکر اپنی حاجت کے لئے اللہ تعالی سے دعا کرنا اور شفاعت کرانا درست ہے البتہ خود حضور ﷺ کی ذات سے حاجت طلب کرنا درست نہیں بلکہ شرک ہے۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی لیکن اب بھی کوئی جاکر رفع حاجت کے لئے شفاعت طلب کرے گا تو جائز ہے چنانچہ مفسرین نے لکھاہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کے روضہ مبارک کے پاس جاکر شفاعت کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالی

[1] ۔ تفسیر "الکشف والبیان" سورۃ النساء تحت آیت ۶۴۔

اس کی مغفرت فرمادیں تواس نے خواب میں دیکھا کہ آپ اس اعرابی کی مغفرت کی خوشخبری سنارہے ہیں۔[1]

اور اسی عقیدے کو اکابر احنافؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

عندنا ومشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حي في قبره الشريف وحياته صلى الله عليه وسلم دنوية من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الأنبياء صلاة الله عليهم۔[2]

ان تمام عبارات میں نبی کریم ﷺ سے طلب شفاعت کو جائز کہا گیا ہے اور ایک دیہات کے رہنے والے صحابی کا واقعہ بیان کیا ہے[3] جس سے اس مسئلہ کے جواز

---

[1] - وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ '' على اثرظلمهم بلاريث متوسلين بک تائبين عن جنايتهم غير جامعين ......فاستغفرواالله واستغفر لهم الرسول وسأل االله تعالى ان يقبل توبتهم ويغفر ذنوبهم۔

(روح المعانی،۵/۷۱)

ولو انهم اذظلموا انفسهم جاء وک ''روى ابوصادق عن على :قال قدم علينا اعرابى بعد مادفنا رسول االلهﷺ بثلاثة ايام فرمى بنفسه على قبر رسول االله وحثا على رأسه من ترابه ؟فقال :قلت يارسول االله فسمعنا قولک ،ووعيت عن االله فوعينا عنک وكان فيماانزل االله عليک ولو انهم اذظلموا انفسهم،الآية وقد ظلمت نفسى وجئتک تستغفر لى،فنودى فى القبر انه قد غفر لک(احکام القرآن للقرطبی،۵/۲۶۵)

[2] - المهند على المفند ۳۸،۳۷ مرقاۃ المفاتیح ۱۱/۲۵۶، رسائل ابن عابدین ۲/۲۰۲ شرح الشفاء للملا علي القاري ۳/۳۹۹، فتح الباري ۱/۱۳۰ عقائد أهل السنة والجماعة ۱۷۰۔

[3] - ولو انهم اذظلموا انفسهم الآية يرشداالله تعالى العصاة والمذنبين اذا وقع منهم الخطاء والعصيان ،ان ياتوا الى الرسول فيستغفرواالله عنده ويسألوه ان يستغفر لهم فانهم اذافعلوا ذلک تاب االله عليهم ورحمهم وغفر لهم،ولهذا قال لوجدوااالله توابارحيما وقد ذكر جماعة منهم الشيخ ابومنصور الصباغ فى كتابه الشامل الحكاية المشهورة عن العتبى قال:كنت جالسا عند قبرالنبىﷺ فجاء اعرابى فقال:السلام عليک يارسول االله ......وقد جئتک مستغفرالذنبى مستشفعا بک الى ربى ثم انشأ يقول:

ياخير من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طيبهن القاع والاكم
فنفسى الفداء لقبر انت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ثم انصرف الاعرابى فغلبتنى عينى فرأيت النبىﷺ فقال ياعتبى الحق الاعرابى فبشره ان االله قدغفرله۔

میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا لیکن سب کچھ واضح ہونے کے باوجود بھی بعض ناعاقبت اندیش استشفاع یعنی طلب شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔[1]

عرض اعمال (نبی کریم ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہونا):

احناف کے متفق علیہ مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن بعض حنفیت کا دعویٰ کرنے والے بڑے شد و مد سے اس کی تردید کرتے ہیں، مختصراً ہم اس مسئلہ کو بھی افادہ عام کے لئے ذکر کرتے ہیں۔

یہ مضمون حدیث صحیح میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بعد وفات کے امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں، نیک اعمال کو دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں اور گناہوں کو دیکھ کر استغفار فرماتے ہیں، لیکن اس روایت میں کوئی خاص دن مذکور نہیں بلکہ ایک ضعیف روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور والدین کے سامنے جمعہ کے دن امت کے اور اولاد کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں،

اور ترمذی و مسلم و ابوداؤد و نسائی و طبرانی کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن اعمال کی پیشی رب العالمین کے حضور میں ہوتی ہے (گو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں، مگر بعض حکم و مصالح کی وجہ سے یہ قاعدہ مقرر

(تفسیر ابن کثیر ۱/۴۶۱)

[1] ۔ آپ ﷺ کی قبر سے مشکل قضیئے اور مشکل مسائل حل نہیں کرائے جاسکتے، اور نہ ہی یہ عرض کی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ میرے حق میں دعا فرمائیں، یا سفارش کریں، یہ عقیدہ مشرکین کا تھا۔

(عقائد علماء اسلام، ص ۱۸۶۔ المسلک المنصور، ص ۶۹)

فرمایا ہے) غرض حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سامنے اعمال امت کے پیش ہونا اور حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا خوش ہونا اور استغفار فرمایا ثابت ہے۔[1]

اخرج الحارث فی مسنده وابن سعدوالقاضی اسمٰعیل عن بکرس عبدالله المزنی قال رسول الله ا حیاتی خیرلکم وموتی خیرلکم تعرض علی اعمالک فمن کان من حسن حمدت الله علیہ وماکان من سئ استغفرت الله لکم واخرج البزار بسند صحیح من حدیث ابن مسعود مثلہ ۔[2]

اللہ کے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ میری زندگی اور موت دونوں تمہارے لئے خیر ہیں میرے اوپر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو ان میں سے اچھے ہوتے ہیں تو میں ان پر اللہ کی تعریف کرتا ہوں اور جو برے ہوتے ہیں تو میں اللہ سے تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

واخرج الحکیم الترمذی فی نوادره من حدیث، عبدالغفور بن عبدالعزیز عن ابیہ عن جده قال قال رسول الله ﷺ تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی الله وتعرض علی الانبیاء ولی

---

[1] - واخرج الترمذی عن ابی ھریرةؓ مرفوعاوحسنہ وغربہ قال تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی واناصائم واخرجہ مسلم عن ابی ھریرة مرفوعابلفظ تعرض الاعمال فی کل اثنین وخمیس فیغفرالله فی ذلک الیوم لکل امرئ لایشرک بالله شیئا الاامرأ کانت بینہ وبین اخیہ شحناء فیقول اترکواھٰذین حتی یصطلحا وفی روایۃ لہ تفتح ابواب الجنۃ یوم الاثنین والخمیس فیغفر لکل عبدلایشرک بالله شیئا الارجل کانت بینہ وبین اخیہ شحنا ء الحدیث ورواه الطبرانی بلفظ تنسخ دواوین اھل الارض فی دواوین اھل السماء فی کل اثنین وخمیس فیغفر لکل مسلم لایشرک بالله شیئا الارجل بینہ وبین اخیہ شحناء واخرج ابوداؤد النسائی عن اسامۃ بن زیدمرفوعاً فی صوم یوم الاثنین والخمیس قال ذٰلک یومان تعرض فیھما الاعمال علیٰ رب العٰلمین ،

فاحب ان یعرض عملی واناصائم واخرج ابن خزیمۃ فی صحیحہ ایضامثلہ مختصراً۔

(الترغیب للمنذری، ص۱۸۱،۱۸۰)

[2] ۔خصائص کبریٰ للسیوطی، ۲/۲۸۱۔

الأباء والامهات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسانتهم وتزدادوجوهم بیاضا واشراقا فاتقوالله ولا تؤذ واموتاکم ۔[1]

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پیر، جمعرات اور جمعہ کو اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام اور ماں، باپ پر اعمال پیش ہوتے ہیں تو وہ ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے خوشی سے چمکتے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مرنے والوں کو تکلیف مت پہنچاؤ۔

اور خود اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو امت پر گواہ بنایا ہے:

ویکون الرسول علیکم شہیدا ۔اور رسول گواہ رہیں تم پر۔[2]

اس آیت سے بھی امت کے اعمال نبی کریم ﷺ پر پیش ہوتے ہیں کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ توسل (کسی نبی یا نیک شخصیت کا واسطہ دے کر دعا کرنا):

دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی بعض اہل بدعت نے حد سے تجاوز کیا اور بجائے وسیلہ کے خود انبیاء اور اولیاء سے مانگنا شروع کر دیا اور بعض اہل بدعت نے سرے سے توسل کا ہی انکار کر دیا ہم مسلک اعتدال حنفیت اہلسنت[3] والجماعت کا درست مؤقف پیش کریں گے۔

---

[1] ۔شرح الصدور للسیوطی، ص ۱۰۴۔

[2] ۔سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۳۔

[3] ۔محمد حسین نیلوی صاحب اپنی کتاب "ندائے حق" میں لکھتے ہیں:

دراصل یہ مسئلہ (توسل) ہنود و نصاریٰ سے چلا آرہا ہے۔ (ج ۲ ص ۳۴۹ عنوان: مسئلہ وسیلہ بالذوات وا لاموات کا اصل ماخذ)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”توسل“ لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں قرآن شریف میں ہے: ﴿وابتغوا الیہ الوسیلۃ﴾ یعنی اللہ کا قرب حاصل کرو۔[1]

شرعاً توسل کا اطلاق ان تین اقسام پر ہوتا ہے:

۱۔توسل بالدعاء:

التوسل... بدعاء الرجل الصالح الحي الموجود فتقول يا شيخ ادع الله لي ونحو ذلك، كما استسقى الصحابة برسول الله صلى الله عليه وسلم[۲].

ترجمہ: توسل بالدعاء سے مراد یہ ہے کہ زندہ نیک آدمی کو دعا کی درخواست کرنا کہ حضرت! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔

۲۔توسل بالاعمال:

هو التقرب إلى الله تعالى بطاعته وعبادته واتباع أنبيائه ورسله وبكل عمل يحبه الله ويرضاه[۳]

محمد طاہر صاحب پنجپیری کی کتاب ”البصائر مصنفہ مولوی حمد اللہ الداجوی“ کے حاشیہ میں ہے: قائلین توسل اور پہلے دور کے مشرکین کا عقیدہ ایک جیسا ہے۔(حاشیہ البصائر: ص۲۳۷)

عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

اسلام میں وسیلہ کا کوئی ثبوت نہیں، جواز وسیلہ پر کوئی ایک آیت، حدیث یا صحابی کا عمل موجود نہیں۔ لہٰذا وسیلہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔(وسیلہ کیا ہے؟: ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۶۴)

[۱] ۔ملفوظات حکیم الامت، ج۲۵ ص۱۲۳۔

[۲] ۔التوسل المشروع والممنوع: ص۱۷

[۳] ۔التوصل الی حقیقۃ التوسل لمحمد نسیب الرفاعي: ص۱۳۔

ترجمہ: وسیلہ بالاعمال سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت، اس کے انبیاء و رسل کی اتباع اور ہر اس عمل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اللہ اس سے راضی ہو۔

۳۔توسل بالذات:

و ان یتوسل بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم و باحد من الاولیاء العظام جائز بان یکون السوال من اللہ تعالیٰ و یتوسل بولیہ و نبیہ صلی اللہ علیہ و سلم۔[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ولی کی ذات سے وسیلہ کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جائے لیکن واسطہ ولی یا نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا ہو۔

مندرجہ بالا تین اقسام کے پیشِ نظر توسل کی شرعی تعریف کچھ یوں ہے:

و التوسل شرعاً هو التقرب إلى الله تعالى بدعاء النبيين و الصالحين و الاولياء و شفاعتهم او بكل عمل يحبه الله ويرضاه من عبادته كالصلاة و الزكوة و الصيام و غير ذلک و اتباع أنبيائه ورسله او بجاه النبيين و الصالحين و بحرمتهم و ببركتهم و بحقهم على الله سبحانه و تعالىٰ سواء كان فى حياتهم او بعد وفاتهم۔[2]

ترجمہ: شریعت میں توسل سے مرد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے چاہے وہ انبیاء، صالحین اور اولیاء سے دعا کروا کر اور ان کی شفاعت سے حاصل کیا جائے یا ہر اس عمل سے کیا جائے جسے اللہ پسند فرماتا ہے جیسے اس کی عبادت کرنا مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا وغیرہ اور انبیاء، رسل کی اطاعت کرنا یا انبیاء و صالحین کی جاہ، حرمت، برکت اور ان کے (اللہ پر ہونے والے) حق (یا اس قسم کے دیگر

---

[1] ۔امداد الفتاویٰ: ج۶ص۳۲۷۔

[2] ۔ فائل متعلقہ مسئلہ توسل، مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

الفاظ مثلاً بطفیل فلاں، بوسیلہ فلاں وغیرہ) سے حاصل کیا جائے چاہے اس دنیوی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد والی زندگی میں۔

اور یہی طریقہ کہ کسی نبی یا ولی کا وسیلہ دے کر دعا مانگنا صحابہ کرام سے ثابت ہے:

> **عن أنس بن مالک، أن عمر بن الخطابؓ، كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلبؓ، فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليک بنبينا - صلى الله عليه وسلم- فتسقينا، وإنا نتوسل إليک بعم نبينا فاسقنا، قال: فيسقون۔** [1]

جب صحابہ کرام کے زمانہ میں قحط پڑتا تو حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے تھے، تو ان کے لئے بارش ہوتی۔

اور حضرات فقہاء واکابر سے بھی ثابت ہے:

> **او یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ' فیکون من باب الوسیلۃ وقد قال تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسیلۃ' وقد عد من آداب الدعاء التوسل۔** [2]
>
> یا اس سے مراد حرمت اور عظمت ہو تو یہ وسیلے کی قسم سے ہو گا اور اللہ رب العزت نے فرمایا ہے "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" اور توسل کو دعا کے آداب میں سے شمار کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷٦ھ) فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ و التوسل بنبی اللہ لیستجاب [3].

---

[1] ۔بخاري، باب سوال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا ۱/۱۳۷،ف: ۱۰۰۰رقم: ۱۰۱۰، المعجم الكبير للطبراني، دار احیاء التراث العربي بیروت ۱/ ۷۲، رقم: ۸۴، المعجم الأوسط، دارالکتب العلمیۃ ۳/ ۴۱، رقم: ۲۴۳۷، صحیح ابن حبان، باب صلاۃ الاستسقاء، دارالفکر ۳/ ۴۳۱، رقم: ۲۸۵۷۔

[2] ۔ردالمحتار' باب الاستبراء وغیرہ ٦/ ۳۹۷' ط سعید ۔

[3] ۔حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ٦۔

اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدّم کیا جائے تا کہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

اللہ رب العزت اس کتاب کو قارئین کے لئے نافع بنائے اور تمام مسلمانوں کو عقائد و اعمال درست کرنے اور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہو کر ہر قسم میں اعتقادی و عملی بدعات سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور حضرات فقہاء و محدثین اور علماء امت کو اپنی طرف سے ان کے شایان شان مراتب عطاء فرمائے

اللهم الف بين قلوب المسلمين واصلح بالهم واحفظنا من شرور انفسنا وشرور اعدائنا ووفقنا لاتباع نبيک الکريم الهادی الی الدين القويم والصراط المستقيم آمين يا اله العالمين وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

(آمین بجاہ النبی الکریم محمد و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین)

تمت بالخير

مصادر ومراجع

۱۔القرآن الکریم،طبع تاج کمپنی لیمٹڈ،لاہور،کراچی۔

۲۔ صحیح ابن حبان،للحافظ ابی حاتم محمد بن حبان البستیؒ،مؤسسۃ الرسالہ بیروت۔

۳۔ تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک۔

۴۔کاروان احرار تاریخ آزادی بر صغیر،جانباز مرزا،مکتبہ تبصرہ گلشن کالونی لاہور۔

۵۔عہد ساز قیادت۔

۶۔مختار الصحاح لمحمد بن ابی بکر الرازیؒ۔

۷۔کشاف اصطلاحات الفنون،للعلامہ محمد علی التھانویؒ۔

۸۔التعاریف،للعلامہ عبد الرؤف المناویؒ۔

۹۔الاقتصاد،للشیخ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی التھانویؒ۔

۱۰۔مسئلہ تقلید،متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ۔

۱۱۔عقود رسم المفتی،للشیخ محمد امین المعروف ابن عابدین شامیؒ۔

۱۲۔رد المحتار علی الدر المختار المعروف فتاویٰ شامی،لابن عابدین الشامیؒ۔

۱۳۔نور الانوار،للشیخ احمد المعروف ملاجیون،مکتبہ رحمانیہ لاہور،پاکستان۔

۱۴۔توضیح تلویح،للعلامہ مسعود بن عمر المعروف سعد الدین التفتازانیؒ۔

۱۵۔حدائق الحنفیہ،لمولانا فقیر محمد جہلمیؒ،مکتبہ ربیعہ،بنوری ٹاؤن،کراچی۔

۱۶۔تنسیق النظام فی المسند الامام،للشیخ محمد حسن السنبلیؒ،مکتبۃ البشریٰ پاکستان۔

۱۷۔البدایہ والنہایہ العروف تاریخ ابن کثیر،للامام ابی الفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقیؒ،طبع دار الفکر،بیروت۔

۱۸۔الفوئد البھیہ فی تراجم الحنفیہ،للامام محمد عبد الحی الکنویؒ،مکتبۃ الحقانیہ بشاور۔

۱۹۔الاعلام۔لخیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس الزرکلی الدمشقی۔

۲۰۔البحر الرائق،للعلامہ محمد بن حسین بن علی الحنفیؒ،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲۱۔راہ سنت،للشیخ محمد سرفراز خان صفدرؒ،مکتبہ صفدریہ گجرانوالہ پاکستان۔

۲۲۔المہند علی المفند،للشیخ مولانا خلیل احمد سہارنفوری الھندیؒ۔

۲۳۔ امداد الفتاویٰ، للشیخ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی التھانویؒ، مکتبہ دار العلوم کراچی، پاکستان۔
۲۴۔ صحیح مسلم، للامام مسلم بن حجاج القشیریؒ، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
۲۵۔ سنن ابی داؤد، للامام ابی داؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ، مکتبہ رحمانیہ لاہور
۲۶۔ سنن ترمذی، للامام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۲۷۔ الجنہ لاہل السنۃ، لمولانا مفتی محمد عبد الغنی صاحب صدر مدرس جامعیہ امینیہ دلی۔
۲۸۔ محاضرات علمیہ بر موضوع رضاخانیت، مفتی محمد امین صاحب پالنپوری، مکتبہ دار العلوم دیوبند۔
۲۹۔ فتاوی عزیزی، للشیخ عبد العزیز محدث دہلویؒ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
۳۰۔ احسن الفتاویٰ، للشیخ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
۳۱۔ فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الھندیہ، للشیخ محمد بن محمد امعروف بابن البزاز الکردی الحنفیؒ،
۳۲۔ مجمع الانہر، للفقیہ عبد الرحمٰن بن محمد بن سلیمان الکلیوبیؒ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۳۳۔ منح الروض الازہر المعروف شرح فقہ الاکبر، للعلامہ ملا علی القاری الحنفیؒ، مکتبہ محمودیہ کوئٹہ۔
۳۴۔ نفع السائل والمفتی، لمولونا عبد الحی الکنویؒ، طبع انتشارات شیخ الاسلام احمد جام
۳۵۔ تنقیح فتاویٰ الحامدیہ، للشیخ محمد امین المعروف بابن عابدین الشامیؒ، قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان۔
۳۶۔ غمز عیون النصائر شرح الاشباہ والنظائر، لسید احمد الحنفی الحمویؒ۔
۳۷۔ الاعتصام، للامام ابی اسحاق ابراہیم الغرناطی الشاطبیؒ، المکتبۃ المعروفیہ کوئٹہ۔
۳۸۔ جواہر الفقہ، لمفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ، مکتبہ دار العلوم کراچی۔
۳۹۔ المدخل، لابی عبد اللہ بن محمد بن محمد الشہیر بابن الحاج الفاسی المالکیؒ۔
۴۰۔ معارف السنن، للشیخ مولانا محمد یوسف بنوریؒ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
۴۱۔ کفایت المفتی، لمفتی کفایت اللہ دہلویؒ، طبع ادارۃ الفاروق کراچی۔
۴۲۔ فتاویٰ محمودیہ، لمفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ادارۃ الفاروق کراچی، پاکستان۔
۴۳۔ فتاویٰ رحیمیہ، للشیخ مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ۔
۴۴۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، لملا علی القاری الحنفیؒ، مکتبہ امدادیہ ملتان۔
۴۵۔ دول الاسلام، للامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبیؒ۔
۴۶۔ لسان المیزان، لابن حجر العسقلانیؒ، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

۴۷۔ مجموع فتاویٰ، للشیخ احمد ابن تیمیہؒ، دار الکتب العلمیہ بیروت۔
۴۸۔ ارشاد الاخیار، للشیخ نصیر الدین الشافعیؒ۔
۴۹۔ مکتوبات امام ربانی، للشیخ احمد سرہندی العروف مجدد الف ثانیؒ۔
۵۰۔ الشریعۃ الالہیہ، لعبد الرحمٰن المغربی۔
۵۱۔ القول المعتمد، لاحمد بن مغربی المالکی۔
۵۲۔ السنن الکبریٰ، للامام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقیؒ، کتب خانہ رشیدیہ۔
۵۳۔ السنن الکبریٰ، لابی عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائیؒ۔
۵۴۔ المعجم الکبیر، لابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، دار احیاء التراث العربی۔
۵۵۔ المستدرک علی الصحیحین، لحافظ ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسابوریؒ۔
۵۵۔ فتاویٰ سمرقندی، لنصر بن محمد بن احمد المعروف بابی اللیث سمرقندیؒ۔
۵۶۔ الجامع الصحیح للسنن والمسانید، لصہیب عبد الجبار۔
۵۷۔ السراجی فی المیراث، للشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشید السجاوندی الحنفیؒ۔
۵۸۔ الفتاویٰ التاتارخانیہ، للشیخ فرید الدین عالم بن العلاء الدھلوی الھندیؒ۔
۵۹۔ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، وزارۃ الاوقاف الشؤن الاسلامیہ، الکویت۔
۶۰۔ احکام القرآن، للامام ابی بکر احمد الرازی الجصاصؒ، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۶۱۔ غنیۃ المستملی، المعروف بالحلبی الکبیری، للعلامہ ابراہیم الحلبیؒ، مکتبہ نعمانیہ۔
۶۲۔ شرح المجلۃ، لسلیم رستم باز۔
۶۳۔ فتاویٰ احیاء العلوم، لمولانا مفتی محمد یاسین مبارکپوری جامعہ احیاء العلوم۔
۶۴۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، للشیخ حسن بن عمار علی الشرنبلالی الحنفیؒ۔
۶۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، للحافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفیؒ۔
۶۶۔ شرح النقایہ، للامام علی بن سلطان القاری الحنفیؒ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
۶۷۔ بہار شریعت، مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی، اکبر بک سیلر لاہور۔
۶۸۔ مسند ابی داؤد الطیالسی، لسلیمان بن داؤد بن جارودؒ، طبع دار ابن حزم۔
۶۹۔ شعب الایمان، للامام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقیؒ۔

۷۰۔ فتاویٰ الہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیری، لشیخ نظام و جماعۃ من علماء الہند الاعلام۔
۷۱۔ مطالعہ بریلویت، للعلامہ الدکتور خالد محمود پی ایچ ڈی لندن، حافظی بک ڈپو دیوبند، یوپی بھارت۔
۷۲۔ ماثبت بالسنۃ، للشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔
۷۳۔ مسلمانوں میں ہندووانہ رسوم ورواج، طبع دار الاندلس۔
۷۴۔ تحفۃ الہند، لمولانا عبید اللہ صاحب۔
۷۵۔ البراہین القاطعہ، للشیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، طبع دار الکتاب دیوبند۔
۷۶۔ فتاویٰ رضویہ، لمولانا احمد رضا خان بریلوی، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
۷۷۔ الھدایہ شرح بدایۃ المبتدی، للامام برہان الدین ابی الحسن علی بن ابی بکر المرغینانیؒ۔
۷۸۔ شرح فتح القدیر علی الھدایہ، للشیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحدؒ، رشیدیہ۔
۷۹۔ مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ، لمولانا عبد الحی الکنویؒ۔
۸۰۔ فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ، جمع وترتیب: الشیخ احمد بن عبد الرزاق الدرویش۔
۸۱۔ مسند ابی یعلیٰ موصلی، للحافظ احمد بن علی بن مثنیٰ التمیمیؒ، دار الثقافۃ العربیہ۔
۸۲۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع والمثانی، للسید محمود آلوسیؒ البغدادی۔
۸۳۔ فتوح الغیب، للامام شرف الدین الحسین بن عبد اللہ الطیبیؒ۔
۸۴۔ فتاویٰ قاضی خان المعروف خانیہ، المطبوع علی ہامش الہندیہ، مکتبہ رشیدیہ۔
۸۵۔ المسامرہ، لکمال الدین محمد بن محمد ابی بکر بن علی بن ابی الشریفؒ۔
۸۶۔ المسایرہ فی العقائد المنجیُ فی الآخرۃ، لکمال الدین محمد بن عبد الواحد الحنفی المعروف بابن الہام۔
۸۷۔ فتاویٰ رشیدیہ، للشیخ مفتی رشید احمد گنگوہیؒ، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان۔
۸۸۔ رشد الایمان، مولوی عبد الرشید رضوی۔
۸۹۔ خزائن العرفان، مولوی نعیم الدین مراد آبادی۔
۹۰۔ نور العرفان، مفتی احمد یار خان نعیمی۔
۹۱۔ تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی۔
۹۲۔ شرح العقائد النسفیہ، لسعد الدین التفتازانیؒ، مکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان۔
۹۳۔ ترجمہ و تفسیر حضرت لاہوریؒ، لمولانا احمد علی لاہوریؒ۔

۹۴۔ تفسیر عثمانی، للشیخ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، تاج کمپنی لمیٹڈ۔
۹۵۔ حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد النسفی،
۹۶۔ صحیح بخاری، للامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ، قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۹۷۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم، لمولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہید۔
۹۸۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، للامام قاضی عیاض المالکیؒ۔
۹۹۔ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، للشیخ محمد اشرف علی التھانویؒ۔
۱۰۰۔ ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک، لمولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ۔
۱۰۱۔ التفسیر الکبیر، للامام فخر الدین الرازیؒ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان۔
۱۰۲۔ تفسیر النسفی، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، لابی البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ،
۱۰۳۔ مستخرج ابی عوانہ، للامام ابی عوانہ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم الاسفرائینی النیسابوریؒ۔
۱۰۴۔ مسند احمد، للامام احمد بن حنبلؒ، مکتبۃ الطارق کابل افغانستان۔
۱۰۵۔ المعجم الاوسط، للامام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقیؒ۔
۱۰۶۔ مسند عبد اللہ بن عباس، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔
۱۰۷۔ الخصائص الکبریٰ، لابی الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطیؒ
۱۰۸۔ ارشاد الطالبین، لمولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ۔
۱۰۹۔ تلبیس ابلیس، للحافظ جمال الدین عبد الرحمٰن ابن الجوزی البغدادیؒ۔
۱۱۰۔ طحطاوی علی الدر المختار، للعلامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفیؒ۔
۱۱۱۔ الموطا الامام مالک، قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان۔
۱۱۲۔ تجلیات صفدر، لمولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، مکتبہ امدادیہ ملتان۔
۱۱۳۔ حلیۃ الاولیاء، للامام حافظ ابی نعیم الاصبہانیؒ، دار الحدیث القاہرہ۔
۱۱۴۔ الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعۃ، لمحمد بن محمد بن علی الشوکانی۔
۱۱۵۔ المطالب العالیہ، لابی الفضل احمد بن علی الکنانی العسقلانی المعروف بابن حجرؒ
۱۱۶۔ شمائم العنبر، لمولوی احمد رضا خان بریلوی۔
۱۱۷۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، للشیخ یوسف بن عبد اللہ بن عبد البرؒ۔

۱۱۸۔ اصول الشاشی، لابی علی احمد بن محمد بن نظام الدین الشاشی الحنفیؒ۔
۱۱۹۔ احیاء علوم الدین، لحجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالیؒ، مکتبہ رشیدیہ۔
۱۲۰۔ انوار قمریہ، لمولوی قمر الدین سیالوی، جامعہ قمر الاسلام کراچی۔
۱۲۱۔ صحابہ کرام کا عقیدہ حاضر ناظر، لمولوی فیض احمد اویسی۔ کتب خانہ اویسی۔
۱۲۲۔ عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، لمولوی غلام نصیر الدین سیالوی۔
۱۲۳۔ دیوبندی مذہب، علماء و مشائخ کی ہدایات، لمولوی غلام مہر علی شاہ۔
۱۲۴۔ مقیاس حنفیت، لمولوی محمد عمر اچھروی۔ انشاء پریس لاہور۔
۱۲۵۔ الدر المثور فی التفسیر بالماثور، لابی الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطیؒ۔
۱۲۶۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، لابی الفضل احمد بن علی الکنانی العسقلانی المعروف بابن حجرؒ۔
۱۲۷۔ زاد المعاد، لابی عبد اللہ محمد بن ابی بکر المشہور بابن القیم الجوزیہ۔
۱۲۸۔ کشف الباری شرح صحیح بخاری، لمولانا سلیم اللہ خانؒ، مکتبہ فاروقیہ کراچی۔
۱۲۹۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ، لمولانا محمد الیاس صاحب۔
۱۳۰۔ جامع معمر بن راشد، للشیخ معمر بن راشدؒ۔
۱۳۱۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، للشیخ ابی محمد محمود بن احمد الحنفی المعروف ب بدر الدین العینیؒ۔
۱۳۲۔ تاریخ مدینۃ المنورۃ، ترجمہ جذب القلوب الی دیار المحبوب، للشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔
۱۳۳۔ تفسیر عزیزی، للشیخ المحدث عبد العزیز الدہلویؒ۔
۱۳۴۔ جاء الحق وزھق الباطل المعروف فیصلہ مسائل، لمولوی احمد یار گجراتی۔
۱۳۵۔ تحصیل البرکات بہ بیان معنی التحیات، للشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔
۱۳۶۔ مدارج النبوۃ، للشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔
۱۳۷۔ القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع، للامام شمس الدین السخاوی الشافعیؒ،
۱۳۸۔ الفرق بین الفرق، للامام عبد القاھر بن طاھر بن محمد البغدادیؒ۔
۱۳۹۔ تفسیر قرطبی جامع احکام القرآن، لابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ
۱۴۰۔ مجمع الزوائد، للشیخ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ۔
۱۴۱۔ لسان المیزان، لابی الفضل احمد بن علی الکنانی العسقلانی المعروف بابن حجر

۱۴۲۔ الحاوی للفتاوی، للعلامہ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطیؒ۔
۱۴۳۔ سنن ابن ماجہ، للامام ابی عبد اللہ محمد بن یزید الربعی القزوینی المعروف بابن ماجہؒ۔
۱۴۴۔ الترغیب والترہیب، للشیخ اسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی الاصبہانیؒ۔
۱۴۵۔ نیل الاوطار، لمحمد علی الشوکانی۔
۱۴۶۔ شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور، للعلامہ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطیؒ۔
۱۴۷۔ المعتمد فی المعتقد، للشیخ ابی عبد اللہ فضل اللہ شہاب الدین بن حسن تورپشتیؒ۔
۱۴۸۔ فتح الوفاء بشرح الشفاء، للشیخ ملا علی القاری الحنفیؒ۔
۱۴۹۔ اشعۃ اللمعات، للشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔
۱۵۰۔ حاشیۃ البخاری، مولانا احمد علی السہارنپوریؒ۔
۱۵۱۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد، للشیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ، معہد الخلیل بھادرآباد کراچی۔
۱۵۲۔ التکشف عن مہمات التصوف، للشیخ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ۔
۱۵۳۔ علم المناظرہ، لمولوی فیض احمد اویسی بہاولپوری۔
۱۵۴۔ فہارس فتاویٰ رضویہ، لمولوی احمد رضا خان بریلوی۔
۱۵۵۔ مسئلہ علم غیب،
۱۵۶۔ تفہیمات الٰہیہ، للشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔
۱۵۷۔ ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب، للشیخ سرفراز خان صفدرؒ۔
۱۵۸۔ سیرت ابن ہشام، لابی محمد عبد الملک بن ہشام المعافیری مصریؒ۔
۱۵۹۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف تفسیر خازن، لعلاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الشہیر بالخازن۔
۱۶۰۔ تاویلات اہل سنت، للامام ابی منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی الحنفیؒ۔
۱۶۱۔ تفسیر بحر المحیط، لابی حیان محمد بن یوسف بن علی المعروف بابی حیان اثیر الدینؒ۔
۱۶۲۔ ارشاد الساری، لابی العباس احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی القتیبی المصریؒ۔
۱۶۳۔ المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، لابی المعالی محمود بن احمد بن عبد العزیز البخاری
۱۶۴۔ مرآۃ الحقیقت،

۱۶۵۔جواہر التوحید،لسید حسین سجاد بخاری۔
۱۶۶۔سلطنت مصطفیٰ،لمولوی احمد یار خان نعیمی۔
۱۶۷۔الامن والعلیٰ،لمولوی احمد رضاخان بریلوی۔
۱۶۸۔ملفوظات اعلیٰ حضرت،لمحمد مصطفیٰ رضاخان۔
۱۶۹۔مسند الامام الشافعی،للامام محمد بن ادریس الشافعیؒ۔
۱۷۰۔شفاء السقام،لابی الحسن تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکیؒ۔
۱۷۱۔تکمیل ایمان،للشیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔
۱۷۲۔تحفہ اثناعشریہ،للشیخ عبد العزیز محدث دہلویؒ۔
۱۷۳۔امداد المفتین،للشیخ مفتی محمد شفیع عثمانی الدیوبندیؒ۔
۱۷۴۔المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط علی لباب المناسک المعروف بمناسک ملاعلی قاری۔
۱۷۵۔تاریخ مدینۃ المنورۃ،للحافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفیؒ۔
۱۷۶۔فیض الباري شرح صحیح البخاري،لمولانا محمد انور شاہ الکشمیریؒ۔
۱۷۷۔الأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع للامام الحافظ جلال الدین السیوطیؒ۔
۱۷۸۔اقتضاء الصراط المستقیم،لعلامہ ابن تیمیہؒ۔
۱۷۹۔التفسیر المظہری،للشیخ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ؒ۔
۱۸۰۔بریقہ شرح طریقہ محمدیہ۔
۱۸۱۔فتاویٰ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ المعروف مائۃ مسائل،للشاہ محمد اسحٰق الدہلویؒ۔
۱۸۲۔جاء الحق،لمفتی احمد یار خان نعیمی۔
۱۸۳۔درر البحار،للعلامہ محمد بن یوسف بن الیاس القنویؒ۔
۱۸۴۔فتاویٰ الکبریٰ،لابن الحجر الہیثمیؒ۔
۱۸۵۔الابداع فی مضار الابتداع،للشیخ علی المحفوظ۔
۱۸۶۔تیسیر المقال،للامام الحافظ جلال الدین السیوطیؒ۔
۱۸۷۔الموضوعات الکبیر،لعلی بن سلطان المعروف بملاعلی القاریؒ الحنفی۔
۱۸۸۔تذکرۃ الموضوعات،لجمال الدین محمد بن طاہر الصدیقی الفتنیؒ۔

۱۸۹۔ المقاصد الحسنہ، للشمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاویؒ۔
۱۹۰۔ فتاویٰ السراجیہ، لسراج الدین ابی محمد علی عثمان التیمی الاوشی الحنفیؒ۔
۱۹۱۔ جامع الرموز، لشمس الدین محمد الخراسانی القہستانیؒ۔
۱۹۲۔ تفسیر الکشف والبیان، المعروف تفسیر ثعلبی، لابی اسحٰق احمد بن محمد ثعلبی نیشابوریؒ۔
۱۹۳۔ رسائل ابن عابدین، لسید محمد امین الشہیر بابن عابدینؒ۔
۱۹۴۔ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، لمفتی طاہر مسعود سرگودھا۔
۱۹۵۔ تفسیر ابن کثیر، للامام الحافظ ابی الفداء اسماعیل بن ابی کثیر القرشی الدمشقیؒ
۱۹۶۔ عقائد علماء اسلام،
۱۹۷۔ المسلک المنصور، لمولوی خضر حیات بھکروی۔
۱۹۸۔ اقامت البرہان،
۱۹۹۔ ندائے حق، لمولوی محمد حسین نیلوی۔
۲۰۰۔ حاشیہ البصائر، لمولوی محمد طاہر پنجپیری۔
۲۰۱۔ وسیلہ کیا ہے؟، لمولوی عطاء اللہ بندیالوی۔
۲۰۲۔ ملفوظات حکیم الامت، للشیخ محمد اشرف علی تھانویؒ۔
۲۰۳۔ التوسل المشروع والممنوع، بن باز
۲۰۴۔ التوصل الی حقیقۃ التوسل، لمحمد نصیب الرفاعی۔
۲۰۵۔ مسئلہ توسل، مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ۔
۲۰۶۔ حجۃ اللہ البالغہ، للشیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔
۲۰۷۔ انباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء، للامام الحافظ جلال الدین السیوطیؒ۔
۲۰۸۔ احکام شریعت، لمولوی احمد رضا خان بریلوی۔
۲۰۹۔ قبل اور بعد اذان درود شریف کا ثبوت، لمولوی عطاء محمد بندیالوی۔
۲۱۰۔ فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، لحاجی محمد مرید احمد چشتی۔
۲۱۱۔ کتاب الآثار، للامام محمد بن حسن الشیبانیؒ الحنفی۔
۲۱۲۔ حضرت لاہوریؒ فتنوں کے تعاقب میں، للشیخ قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ۔